بسم اللہ الرحمن الرحیم

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ

مصباح الزجاجۃ

شرح اردو

مشکلاتِ ابن ماجہ

منتخب از افادات

حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری ناظم تعلیمات دار العلوم دیوبند و حضرات محدثین

مؤلف

مولانا قاری اسعد قاسم سنبھلی قاسمی فاضل دار العلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ نعمانیہ ۳۶-جی لانڈھی نزد دار العلوم کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ

مِصباحُ الزُّجاجۃ

شرح اردو

مشکلاتِ ابنِ ماجہ

منتخب از افادات

حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند [illegible]

مؤلف

مولانا قاری اسعد قاسم سنبھلی قاسمی فاضل دارالعلوم دیوبند

ناشِر

مکتبہ النعمانیہ، ۳۶/جی لانڈھی، نزد دارالعلوم کراچی

پیشکش: طوبیٰ لائبریری راولپنڈی

معاونِ خصوصی: مولانا ادریس صاحب، خطیب

جامع مسجد سیّدنا حمزہؓ، F10، اسلام آباد

کتاب

مِصبَاحُ الزّجَاجَة شرح اردو مشکلاتِ

ابن ماجه

منتخب افادت: مولانا ریاست علی بجنوری صاحب،

محدثِ دیوبند

مئولف: مولانا اسعد قاسم سنبھلی قاسمی فاضلِ دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

سال گزشتہ جب راقم سطور ازہر ایشیا جامعہ قاسمیہ دار العلوم دیوبند میں دورۂ حدیث
کی تکمیل کر رہا تھا تو دوران مطالعہ شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ سنن ابن ماجہ جو اپنے
زبردست مقدمہ اور منفرد آغاز و بیان کے لحاظ سے اپنا ایک ممتاز مقام رکھتی ہے ابھی تک
مفصل و مبسوط نیز تشفی بخش شرح سے محروم اور حضرات اکابر رحمہم اللہ کی بے التفاتی کی
شاکی ہے اور دس سے زائد مبسوط و مختصر شروحات سے مزین یہ سنن زمانے کی علمی کوتاہیوں اور
ہم نااہلوں کی لاپرواہیوں کا رونا رو رہی ہے کیونکہ ہماری ہی بے اتفاقی و ناقدری کی وجہ سے
اس کی اکثر شروحات کمیاب و نایاب اور تاریخ کی زینت بن کر رہ گئی ہیں اور اتنی عظیم کتاب
کی صرف ایک شرح ہی دستیاب ہے۔ جو اپنے بہت سے خصائص و محاسن
کے باوجود نہ تو نصاب و مقدمہ کو حاوی ہے اور نہ ہی سیر حاصل کلام کی متحمل ہے۔

اسی پس منظر کے تحت علم حدیث سے فطری دلچسپی اور تحریر و ادب میں ارباب دار العلوم
کی حوصلہ افزائی سے راقم سطور کے دل میں یہ خواہش انگڑائی لینے لگی کہ اگر فراغت کے بعد میں
ابن ماجہ پر کام کا آغاز کر دوں اور ایک عمدہ مفصل و مبسوط نیز قابل قدر شرح کو مرتب کر کے شرکاء
دورہ حدیث اور علمی حلقہ کی خد   میں پیش کر دوں تو یہ بات جہاں میرے لئے باعث فخر اور
علمی ترقیات کا ذریعہ ہوگی وہیں توشۂ آخرت بھی۔

لیکن شرح کا نقشہ و اصول مرتب کرنے کے بعد معاً یہ خیال پیدا ہوا کہ شرح کی ترتیب و
تالیف ایک دیر طلب اور دشوار کن مرحلہ ہے جس کیلئے طویل عرصہ درکار ہے جبکہ ابن ماجہ کے
سلسلے میں طلباء حدیث کو فوری کسی حل کی شدید ضرورت ہے اس لئے فی الحال مکمل شرح کے
بجائے نوٹ کی شکل میں صرف مشکلات کی اردو شرح لکھی جائے جو مکمل نصاب کو حاوی ہو۔ تو
یہ حالات کے تقاضے کے عین مطابق اور طلباء حدیث کیلئے نہایت آسان و مفید بھی ہوگی۔

چنانچہ ہمت کرتے ہوئے سب سے پہلے دارالعلوم کے پندرہ سالہ امتحانی سوالات جمع کئے گئے جن کے حصول کیلئے غیر معمولی دوڑ دھوپ کرنی پڑی اس کے بعد اپنے علمی محسن اور شفیق اساتذہ کے سامنے پوری صورت حال رکھی اور اپنے عزم کا بھی بلا تردد وتذبذب اظہار کردیا۔ حضرات موصوف نے نہ صرف یہ کہ ہمت افزائی بلکہ اس حل کا نقشہ وخاکہ سمجھایا اور نہایت قیمتی مشوروں سے نوازا۔ چنانچہ اسی انداز پر فوراً کام کا آغاز کردیا گیا اور رمضان کے پورے مہینے اسی کی تالیف وترتیب میں منہمک رہا۔

عیدالفطر کے بعد جب راقم سطور کو بغرض تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ جانا ہوا تو وہاں ندوہ کی عظیم لائبریری سے بھرپور استفادہ کا موقع ملا اور کچھ مجمل احادیث خال محترم حضرت مولانا زکریا صاحب قاسمی مدظلہٗ (محدث ندوۃ العلماء) سے حل کیں اور بعض پیچیدہ ومشکل احادیث میں دوسرے خال محترم مفسر ومحدث حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی (مدیر الفرقان لکھنؤ) سے مدد لی گئی اور موصوف ہی کے قیمتی وپرعلم فرمودات کی روشنی میں ان احادیث کی شرح کیگئی

عیدالاضحیٰ کے بعد مخدومی حضرت مولانا محمد منظور نعمانی ادام اللہ ظلہٗ علینا کے مشورہ اور حکم کے بموجب جب دوبارہ دارالعلوم ہی میں تعلیمی مراحل طے کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اور ایک بار پھر بحیثیت طالب علم دارالعلوم دیوبند میں حاضری ہوئی تو یہاں پہونچ کر دارالعلوم کی عظیم الشان لائبریری سے استفادہ کا وہ موقع میسر آگیا جس کا میں بے حد متمنی تھا۔

چنانچہ ماہ محرم الحرام سے انتہائی توجہ، انہماک، محنت ولگن، دلچسپی ودلجمعی کے ساتھ اس حل کی تکمیل کی جانب تیزی سے قدم بڑھاتا رہا اور آٹھ، نو مہینے کی مسلسل عرق ریزی کے بعد ۲۴ر جمادی الاولیٰ بوقت بعد نماز جمعہ اس حل کی تالیف وترتیب سے فارغ ہوا۔

مشکلات کی توضیح وتشریح کرتے ہوئے میں نے حضرت مولانا ریاست علی صاحب مدظلہ (استاذ حدیث وناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند) کے اسباق کو بنیاد بنایا ہے جو قلمبند ہوئے راقم سطور کے پاس موجود تھے۔

دوران تالیف جن احادیث کے بارے میں شروحات سے کچھ دستیاب نہ ہوسکا تو ان کو حضرت الاستاذ کی خدمت میں جاکر حل کیا گیا اور آپ ہی کے مطالعہ وفہم کی روشنی میں ان احادیث کی تشریح کی گئی ہے اور جو احادیث کچھ زیادہ پیچیدہ تھیں تو ان کیلئے حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہٗ (محدث کبیر دارالعلوم دیوبند) کی طرف رجوع کیا اور آپ کے قیمتی فرمودات سے بروقت بہت مدد ملی، جبکہ آخر میں اخی المعظم استاذی المکرم حضرت مولانا عمران ذاکر صاحب قاسمی سنبھلی کی علمی شخصیت سے بھی خصوصی استفادہ کا موقع ملا۔

اس شرح کی ترتیب و تالیف میں جن امور کا خصوصاً لحاظ رکھا گیا ہے وہ کچھ اس طرح ہیں:

- سالانہ امتحان کی پیچیدگیوں کو دور کر کے انہیں از سر نو سہل انداز میں مرتب کیا گیا۔
- جہاں ضرورت سمجھی وہاں اپنی جانب سے سوالات قائم کیے گئے اور ہر ہر پرچہ میں عموماً تین تین سوالات رکھ کر ان کے جوابات بالترتیب قلمبند کیے گئے۔
- حدیث باب کی مکمل تفتیش و تحقیق کی گئی اور ہر ہر شرح سے اس کا عطر لے لیا گیا۔
- زیر بحث حدیث کو اس طرح حل کیا گیا کہ باب کے ذیل میں آنے والی احادیث خود بخود حل ہو جائیں۔
- حدیث باب کا ترجمہ سادہ اور سلیس زبان میں کیا گیا نیز سیاق و سباق کے تقاضوں کے پیش نظر محذوفات کو اندرون بریکٹ اجاگر کر دیا گیا۔
- جوابات میں حتی الامکان یہ کوشش رہی کہ جو جواب دیا جائے وہ اکابر رحمہم اللہ کی زبان میں ہو اسی بنا پر شرح میں اقتباسات کی بہت کثرت ہے۔
- دوران جواب جو عبارت نقل کی گئی ہے اور جن جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے حاشیہ میں ان سب کا حوالہ قلمبند کر دیا ہے نیز تفصیل طلب حضرات کیلئے زیر بحث مسئلہ میں ان عمدہ کتب کی نشاندہی کر دی گئی ہے جو اس موضوع پر اصول و مآخذ کا درجہ رکھتی ہیں، ان حواشی کی وجہ سے حوالہ کا یہ سلسلہ بعض جگہ بہت طویل ہو گیا ہے جب کہ آخر میں قدرے تخفیف کر دی گئی ہے۔
- جہاں ممتحن نے کسی موضوع پر مضمون کی فرمائش کی ہے وہاں اپنی مصروفیت کی بناء پر مشہور و معروف ادباء اور صاحب قلم مصنفین کے مضامین کو ان کی سلاست جامعیت اور اختصار کے پیش نظر بعینہٖ نقل کر دیا ہے اور جہاں حذف و ترمیم ضروری سمجھی وہاں حاشیہ میں اس کی صراحت کر دی ہے جب کہ دوسری جگہوں پر راقم سطور نے مضامین خود لکھے ہیں اور
- ان تمام مضامین میں یہی بات پیش نظر رہی ہے کہ طلباء کو صرف مضمون لکھنے کا انداز بتا دیا جائے اور دلائل سے دوران مضمون قطعاً چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے اس کے بعد مضمون کے اختتام پر زیر بحث مسئلہ کے دلائل بھی بالترتیب درج کر دیئے ہیں تاکہ طلباء اس مضمون کو درج ذیل دلائل کی مدد سے ایک مبسوط مضمون کی شکل دے سکیں۔

ان امور کا لحاظ رکھتے ہوئے اس حل کی ترتیب و تالیف میں نہایت محنت و مشقت اور غیر معمولی کاوش کرنی پڑی ہے اور سو سے متجاوز کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی اس کی تکمیل ممکن ہو سکی ہے جو آخر میں "فہرست مآخذ" کے عنوان سے نقل کر دی گئی ہیں اس محنت کا اندازہ

وہی اصحاب لگا سکتے ہیں جو خود اس انداز کے کام کو انجام دے چکے ہوں ــــ اگر شرکاء دورہ حدیث نے اس ٹوٹی پھوٹی محنت کو قبول کر لیا تو راقم سطور عنقریب ایک شرح پیش کرنے کی جسارت کرے گا جو اپنے انداز بیان، دلائل و براہین اور زور اسلوب کے لحاظ سے ایک ممتاز شرح ہوگی اللہ تعالیٰ اس کی تالیف کی توفیق عطا فرمائے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس مرحلہ پر میں اپنے محترم استاذ حضرت مولانا قاری عبدالرؤف صاحب بلند شہری (استاذ دارالعلوم دیوبند) کا شکریہ ادا نہ کروں جنھوں نے اپنے درسی اوقات سے مجھے بڑی حد تک فراغت دیدی اور میں دل جمعی کے ساتھ اس کی تکمیل کرتا رہا اور ساتھ ہی عزیز محترم مفتی ارشد صاحب مظفر نگری کا بھی میں نہایت ممنون ہوں جنھوں نے کچھ غلطیوں کی نشاندہی کی اور بروقت ان کی اصلاح کردی گئی۔

آخر میں اہل علم حضرات سے درخواست ہے کہ وہ لغزشوں اور زلتوں پر متنبہ فرما کر شکریہ کا موقع دیں اور جن حضرات کو اس تحریر سے کوئی فائدہ پہونچے وہ احقر کیلئے حیاً خدمت دین کی توفیق و خاتمہ بالایمان اور میتاً مغفرت و علو درجات کی دعاء کر دیا کریں۔

اسعد قاسم سنبھلی القاسمی
فاضل دارالعلوم دیوبند

رائے گرامی حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہ ناظم تعلیمات و استاذ حدیث دار العلوم دیوبند

الحمد للہ وکفٰی وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی۔ اما بعد!

دار العلوم دیوبند خداوند قدوس کے فضل و کرم سے وہ سدا بہار گلشن ہے جس کے دامن میں ہمیشہ بہاروں کے قافلے فروکش ہوتے رہتے ہیں اس کے صحن میں ہر سال نئے شگوفے کھلتے ہیں۔ اس کے جلو میں پروردگار عالم نے برکت و سعادت کا وہ ماحول پیدا کیا ہے کہ طلبہ عزیز کی خوابیدہ صلاحیتیں نشاط زندگی کی جولان گاہ بن جاتی ہیں اور وہ اپنے روزمرہ کے اسباق کیساتھ ساتھ ایسی ایسی قابل ذکر خدمات انجام دیتے ہیں کہ بے ساختہ داد تحسین دینے کو جی چاہتا ہے مضمون نگاری اور خطابت کی صلاحیت تو مادر علمی کے پاکیزہ ماحول میں اس طرح پرورش پاتی ہے جیسے کوئی صحتمند اور طاقت ور پودا۔ معتدل آب و ہوا۔ اور زرخیز زمین میں فضاؤں سے اپنا خراج وصول کر رہا ہو ــــــــــ ایسی ہی ایک قابل تحسین ایک علمی کاوش عزیز محترم مولانا اسعد قاسم سنبھلی سلمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ عزیز موصوف نے کافی محنت و مطالعہ کے بعد مشکلات ابن ماجہ کی شرح لکھی ہے۔ اور دار العلوم دیوبند کے امتحانات کے پرچوں سے اور کہیں کہیں اپنے ذوق سے پہلے سوالات قائم کئے ہیں پھر ان کا قابل اعتماد اور تشفی بخش جواب قلمبند کیا ہے۔

عزیز موصوف نے چونکہ ابن ماجہ راقم الحروف سے پڑھی ہے اسلئے انھوں نے مسودہ کے کچھ اوراق دکھائے، مطالعہ کے دوران مجھے محسوس ہوا کہ ان کی محنت لائق تحسین ہے اور وہ اس کتاب کی مفصل شرح لکھنے کا بھی ارادہ رکھتے ہیں۔

دعا ہے پروردگار عالم عزیز موصوف کو بیش از بیش اعمال صالحہ کی توفیق ارزانی کرے۔ اور زبان و قلم کے ذریعہ ان کو دین مبین کی خدمت کی سہولتیں فراہم فرمائے۔ آمین

والحمد للہ اولاً و آخراً

ریاست علی بجنوری غفرلہٗ
خادم تدریس دار العلوم دیوبند
۷ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال ۱ (الف) حدیث کی تعریف کیجئے۔

(ب)۔ کیا عہدِ رسالت میں کتابتِ حدیث کا آغاز ہو گیا تھا اگر جواب اثبات میں ہے تو عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ کے مدون تحریری دوشتے تحریر کیجئے۔

(ج)۔ کتب حدیث میں صحاح ستہ کی ترتیب کیا ہے؟

(د)۔ ابن ماجہ شریف کی کل کتنی حدیثوں پر کلام کیا گیا ہے؟

جواب سوال ۱ (الف)۔ حدیث کی تعریف کرتے ہوئے علامہ طاہر بن صالح الجزائری فرماتے ہیں:۔

"اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وافعالہ واحوالہ"

مذکورہ تعریف کو حافظ سخاویؒ نے مزید تشریح کیساتھ یوں نقل فرمایا ہے:۔

"والحدیث لغۃ ضد القدیم واصطلاحاً ما اضیف إلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قولاً له او فعلاً او تقریراً او صفۃ حتی الحرکات والسکنات فی الیقظۃ والمنام"

لیکن حافظ سخاوی کی یہ تعریف احادیث موقوفہ ومقطوعہ کو جامع نہیں ہے اسلئے مولانا تقی صاحب عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں صحیح تعریف اس طرح ہونی چاہیئے:۔

"ھو معرفۃ ما اضیف إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او إلی صحابی او إلی من دونہ ممن یقتدی بھم فی الدین قولاً او فعلاً او صفۃً او تقریراً"[1]

(ب)۔ کتابت حدیث کا آغاز عہد رسالت ہی میں ہو گیا تھا، ذیل میں عہدِ رسالت و صحابہ کے چند تحریری دوشتے ملاحظہ کیجئے۔

(۱) الصحیفۃ لعلی المرتضی رضؓ۔ ذکرھا ابو داؤد السجستانی۔

---

[1] مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، توجیہ النظر فی اصول الاثر للجزائری، تنظیم الاشتات جلد اول، فتح المغیث للسخاوی، فتح الباقی شرح الفیۃ العراقی، کشف اصطلاح الفنون لمحمد التھانوی، کشف الظنون لحاجی خلیفہ۔

(۲)	الصحیفة لابن مسعود رض	جامع بیان العلم وفضله لابن عبد البر۔
(۳)	الصحف لانس بن مالک رض	تدوین الحدیث لگیلانی۔
(۴)	الصحیفة لابن عباس رض	طبقات لابن سعد
(۵)	الصحیفة لجابر بن عبد اللہ۔	نقل البخاری فی التاریخ الکبیر عن معمر
(۶)	الصحیفة الصادقة لابن العاص رض۔	مسند للامام ابن حنبل۔
(۷)	کتاب الصدقة	یہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا املاء کرایا ہوا دوستہ تھا۔
(۸)	الصحیفة لعمر رض بن حزم	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن حزم کو نجران کا عامل بنانیکے بعد بطور قانونی دستاویز یہ صحیفہ ان کے حوالہ کیا۔
(۹)	الصحف لابی ھریرة رض	جامع بیان العلم وفضله لابن عبد البر و المستدرک للحاکم۔
(۱۰)	الصحیفة لسمرة بن جندب	تھذیب التھذیب لابن حجر العسقلانی۔

ان کے علاوہ بے شمار صحیفوں کا ذکر مطولات میں موجود ہے[۱]۔

(ج)۔ محققین کے نزدیک صحاح ستہ کی ترتیب اس طرح ہے:۔

(۱) بخاری شریف (۲) مسلم شریف (۳) نسائی شریف (۴) ابو داؤد شریف (۵) ترمذی شریف (۶) ابن ماجہ شریف۔

بعض حضرات نے صحاح ستہ میں ابن ماجہ کے بجائے موطا امام مالک کو شمار کیا ہے ہمارے اکابر میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح کی بھی یہی رائے ہے جبکہ دوسرے علماء کے نزدیک سنن دارمی کتب ستہ میں شمولیت کی زیادہ مستحق ہے لیکن محدثین کی اکثریت ابن ماجہ شریف ہی کو صحاح ستہ میں شامل کرنے پر متفق ہے۔ حافظ عماد الدین دمشقی، ابن الاثیر جزری، ابو الحسن سندھی اور اکثر مورخین کی بھی یہی رائے ہے جب کہ نواب صدیق حسن خان بھوپالی رح فرماتے ہیں کہ موطا امام مالک ہر حیثیت سے صحاح میں شمولیت کی زیادہ مستحق ہے۔

(د)۔ حافظ عماد الدین دمشقی رح نے البدایہ والنہایہ میں امام ابو زرعہ رازی سے نقل کیا ہے انھوں نے ابن ماجہ شریف پر تحقیق کی تو کل دس بارہ روایتیں ایسی ان کی گرفت میں آسکیں جن پر

---

[۱] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: تدوین حدیث، مقدمہ درس ترمذی، تنظیم الاشتات، خطبات مدراس ۳۵

موضوع اور منکر کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

اس سے مزید آگے بڑھتے ہوئے صاحب تذکرۃ الحفاظ نے اس قسم کی احادیث کی تعداد ۳۰ نقل کی ہے جب کہ بعض حضرات نے کہا کہ ایسی احادیث کل اٹھارہ ہیں۔

امام ابن الجوزی نے ابن ماجہ کی چونتیس ۳۴ احادیث کو موضوع کہا ہے۔

ان اقوال کے علاوہ جمہور مورخین نے بھی ابن ماجہ شریف کی موضوع و منکر احادیث کی تعداد تاریخی روایتوں کی مدد سے تیس ۳۰ ہی بتائی ہے[1]

امام ابوزرعہ رازی کی دوسری روایت (جس کو ابن طاہر نے نقل کیا ہے) میں ضعیف و منکر احادیث کی تعداد تیس ۳۰ سے کچھ کم بیان کی گئی لیکن محشی نسائی شریف نے اس روایت کو منقطع السند ہونے کی بناء پر ناقابل تسلیم قرار دیا اور کہا وقد حکم ابو زرعۃ علی احادیث کثیرۃ منہ بکونہا باطلۃ او ساقطۃ او منکرۃ[2] یعنی ابوزرعہ نے ابن ماجہ کی احادیث کی کثیر تعداد کو باطل ساقط اور منکر کہا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی ابن ماجہ کی بائیس ۲۲ احادیث کو موضوع کہا ہے[3]۔

سوال نمبر ۲ (الف)۔ حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ کی سوانح عمری مختصراً تحریر فرمائیے۔

(ب)۔ ابن ماجہ نے دیگر اصحاب سنن کی طرح اپنی کتاب کا آغاز کتاب الطہارت سے کیوں نہیں کیا؟

(ج)۔ ابن ماجہ شریف میں کتنی ثلاثیات مروی ہیں تعداد و طریق بتاتے ہوئے کسی ایک حدیث کو قلمبند کیجئے۔

(د)۔ حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ کس مسلک سے تعلق رکھتے ہیں وضاحت کیجئے؟۔

جواب سوال نمبر ۲ (الف)۔ کنیت ابوعبداللہ نام نامی محمد بن یزید ربعی قزوینی حضرت شاہ عبدالعزیز کی تحقیق کے مطابق ماجہ آپکی والدہ محترمہ کا نام اور دادا کا نام عبداللہ ہے مورخین کی بھی ایک جماعت کی یہی رائے ہے حضرت امام علیہ الرحمہ ۲۰۹ھ مطابق ۸۲۴ء

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو" ماتمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع ابن ماجہ۔ وتذکرۃ الحفاظ للذہبی تنظیم الاشتات ص۲۲ جلد اول۔ الاحادیث الموضوعۃ للشوکانی، الموضوعات لابن الجوزی، الموضوع لعلی القاری" [2] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو" کتاب العلل لابی حاتم" [3] ملاحظہ ہو" منہج القدماء ص۱۹ ومقدمہ الفتح" وغیرہ۔

میں عراق کے مشہور شہر قزوین میں پیدا ہوئے قزوین کو حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے دور خلافت میں فتح کیا یہ اس وقت علمی دنیا کا نہایت زرخیز اور غیر معمولی اہمیت کا حامل شہر تھا اور یہیں سے دنیائے حدیث کی ایسی یکتائے روزگار ہستیاں اٹھیں جو علم حدیث میں اپنا ایک مقام رکھتی ہیں اور جن کو دنیا محمد بن سعید، علی بن محمد، عمرو بن رافع، اسماعیل بن توبہ وغیرہ کے بلند ناموں سے جانتی ہے۔

حضرت امام موصوفؒ نے اپنا بچپن و لڑکپن اسی وطن مالوف کی علمی فضاؤں میں گذارا اور نوعمری تک قزوین ہی میں چوٹی کے محدثین اور قابل ترین علماء و محققین کے زیر سایہ علمی مراحل طے کرتے رہے ان تمام مشارب سے سیراب ہونے کے بعد آپ نے تبحر علمی کیلئے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بغداد، بصرہ، خراسان، مصر، شام، رملہ، واسطہ وغیرہ کے طویل ترین سفر کئے اور جبارہ بن مغلس، ابراہیم ابن المنذر، ابن نمیر، ہشام بن عمار، اصحاب مالک اور اصحاب لیث، ابوبکر بن شیبہ اور اسی طبقہ کے دوسرے بزرگوں سے علم حاصل کیا اور فن حدیث وتفسیر میں وہ وسعت اور گہرائی حاصل کی جس کی نظیریں خال خال ہی نظر آتی ہیں۔

امام موصوف نے حصول علم کے بعد جہاں فن تفسیر میں "التفسیر" فن حدیث میں "سنن ابن ماجہ" اور فن تاریخ میں "التاریخ" جیسی شاہکار کتابوں کی تصنیف کی وہیں حدیث کی زبردست درسی خدمات بھی انجام دیں اور آپکے مختصر حلقہ درس سے فقہاء، علماء، مفسرین و محدثین کی شاندار جماعت تیار ہوئی۔ ابراہیم ہمدانی، احمد قزوینی، علی بن سعید عسکری، احمد بن روح شعرانی، محمد بن عیسٰی، جعفر بن ادریس، حسین بن علی، سجان بن یزید، ابن محمد اصبہانی، ابو الحسن علی بن ابراہیم وغیرہ اسی جماعت کے درخشاں ستارے ہیں۔

تفسیر وحدیث وتاریخ کے اس زبردست امام نے ۲۱ رمضان المبارک بروز دوشنبہ ۲۷۳ھ میں ۶۴ بہاریں دیکھنے کے بعد اس دار فانی کو خیر باد کہا ۲۲ رمضان المبارک سہ شنبہ کو آپکو سپرد خاک کیا گیا اور یوں دنیا علم ومعرفت کے ایک روشن منارے کی نورانی کرنوں سے محروم ہوگئی۔

لہ امام صاحب کے حالات کی ترتیب میں مندرجہ ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے تفصیل کیلئے انھیں کی طرف رجوع فرمائیں "ما تمس الیہ الحاجہ لمن یطالع ابن ماجہ، مقدمہ انوار الباری ج۲ ص۵۰ مطبوعہ پاکستان (بقیہ ص۱۱ پر)

(ب) - اہلِ علم اور مصنفین کا یہ طرزِ عمل رہا ہے کہ وہ اپنی تصنیفات کا آغاز انھیں مضامین اور علوم وابواب سے کرتے ہیں جو ان کے نزدیک مہتم بالشان اور انتہائی اہمیت کے حامل ہوں، آغاز کبھی علم کی نوعیت کی وضاحت کیلئے کبھی مشرب اور منبع کی جانب لطیف اشارہ کیلئے اور کبھی علم کے اعتماد کو بڑھانے کیلئے اس کی اسناد کی ثقاہت وعظمت سے کیا جاتا ہے اور کبھی شرط ومشروط کی تقدیم وتاخیر کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں قاعدہ کلیہ کوئی مقرر نہیں بلکہ زمانہ کے تقاضوں، چند مباحث سے غفلت نیز غلو اور جہالت کے پیشِ نظر ہر محدث اپنے اپنے ذوق اور مزاج کے مطابق اپنی کتاب کا آغاز کرتا ہے اور اپنے ماحول سے بھی وہ متاثر ہوتا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح کا آغاز "باب بدا الوحی" سے کر کے وحی کی غیر معمولی اہمیت اور تمام علوم کا مشرب ومنبع ہونے کی جانب ایک واضح اشارہ کیا ہے کیونکہ وہی سب سے مقدم ہے اور تمام اصناف علوم اسی کی رہین منت ہیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے "ان ھذا العلم دین فانظر واعمن تاخذون دینکم" کو مدنظر رکھتے ہوئے اسناد کی بحث کو مقدم کیا تاکہ ہمارے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطوں اور رواۃ کی جو کڑیاں ہیں انکی ثقاہت اور اعتماد کی وضاحت ہو جائے اور انکی عظمت وفقاہت دلوں میں اتر جائے۔

دوسرے اصحاب سنن نے "الشرط یتقدم علی المشروط" کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنی تصنیفات کی ابتداء کتاب الطہارۃ سے کی کیونکہ اعمال جوارح سے عقائد وایمان کی تصدیق ہوتی ہے اور اعمال میں سب سے اقدم نماز ہے اور اس کی ادائیگی کیلئے طہارۃ شرط ہے۔

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" کے پیشِ نظر شرط اور مشروط کا معیار ہی بدل دیا اور انھوں نے اتباع سنت کو شرط اور پوری شریعت کو مشروط قرار دیا اور "وما آتاکم الرسول فخذوہ ومانہاکم عنہ فانتھوا" کے پیشِ نظر "قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی" کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ پہلے

(بقیہ ص۱۰ کا) مقدمہ الاشعہ ج۱ ص۲، مقدمہ انوار المحمود ص۳، بستان المحدثین للدہلوی، ظفر المحصلین للگنگوہی، محدثین عظام الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ ص۸۔

اتباعِ سنّت اور تعظیم حدیث وغیرہ ابواب قائم کئے پھر عقائد وایمان کی احادیث ذکر کرتے ہوئے فضائلِ صحابہ کا باب قائم کیا اس سے ان کا مقصد جہاں حضرات صحابہ اور وسائط کی عظمت وثقاہت کو ثابت کرنا ہے وہیں یہ لطیف اشارہ بھی کرنا ہے کہ حضرات صحابہ کسوٹی ہیں ہمارے عقائد ایمان وقدر وغیرہ جب ہی اتباعِ سنت کے زمرہ میں آئیں گے جب کہ وہ عقائد صحابہ کے عین مطابق ہوں ورنہ ان پر سنّت کا اطلاق نہ ہوگا اور تصادم کی صورت میں ان پر عقائد خوارج وجہمیہ اور معتزلہ ورافض کا اطلاق ہوگا امام نے فضائلِ صحابہ کے بعد ان گمراہ فرقوں کا ذکر کرنے سے یہی تأثر دیا ہے تو اس طرح کی ترتیب سے امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے سب سے شاندار آغاز کیا ہے اور " ماانا علیہ واصحابی " کی دلچسپ اور انوکھی تشریح کی ہے۔

(ح)۔ امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے اپنی سنن کو چار ہزار احادیث سے ترتیب دیا ہے جن میں امام موصوف نے پانچ ثلاثی حدیث بھی نقل کیں ہیں ان تمام ثلاثیات کا طریق یہ ہے کہ:۔

"حدثنا جبارۃ بن مغلس ثنا کثیر بن سلیم سمعت انس بن مالکؓ۔

ذیل میں ایک ثلاثی حدیث نقل کی جاتی ہے جس کو امام موصوف نے " باب الوضوء عند الطعام " میں ذکر کیا ہے۔

"من احب ان یکثر اللّٰہ خیر البیتہ فلیتوضأ اذا حضر غداءہ و اذا رفع"۔

(د)۔ محدثین اور خصوصاً صحاح ستہ کے مصنفین کی زندگی کا یہ پہلو تقریباً پردۂ خفاء میں رہا ہے کہ یہ ائمہ علیہم رحمین میں سے کس کے مقلد ہیں نہ ہی انھوں نے اپنے مسلک و مذہب کی وضاحت کی اور نہ ہی صراحتاً کسی امام کی تردید وتکذیب کی جس سے یہ معلوم ہو سکتا کہ موصوف فلاں کے دائرہ اتباع سے خارج اور فلاں کے زمرہ متبوعین میں داخل ہیں شارحین حدیث وسوانح نگاروں نے ان کے رجحانات ومیلانات اور اشارات کو دیکھتے ہوئے اپنے اپنے ذوق و طبیعت کے مطابق کچھ رائیں قائم کیں ہیں جن میں شافعی، حنبلی، مالکی اور حنفی ہونے کا ذکر ہے لیکن بالیقین حتمی فیصلہ مشکل ہے کیونکہ ہر ایک کے بارے میں متعدد ومختلف اقوال نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں احقر کی ناقص رائے یہ ہے کہ محدثین فقہا، کی بڑی اکثریت فقہا، محدثین کی مقلد نہیں ہے بلکہ وہ خود مجتہد ہے اور ان کے اجتہاد کا دائرہ ان کی ذات اور ایک مخصوص حلقہ تک محدود ہے مذاہب اربعہ کی طرح نہ انھیں فروغ ملا اور نہ ہی ان کا مسلک عوامی زندگی میں رائج ہوا اس تمہید کو ذہن میں رکھتے ہوئے ابن ماجہ علیہ الرحمہ کے بارے میں چند اقوال ملاحظہ کیجئے۔

(۱)۔ علامہ طاہر الجزائری فرماتے ہیں کہ امام ابن ماجہؒ علماء حجاز امام شافعی امام احمد اور امام اسحاق علیہم الرحمہ کے مقلد نہیں بلکہ ان سے متاثر ہیں ورنہ فی الحقیقت تو وہ خود مجتہد ہیں۔

(۲)۔ ہمارے اکابر میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو شاید امام ابن ماجہؒ کا جھکاؤ ابن حنبل کی جانب زیادہ محسوس ہوا تو انھوں نے ان کے حنبلی ہونے کا اظہار خیال کیا۔

(۳)۔ اس کے برعکس امام العصر ابن حجر ہند علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ کی رائے یہ ہے کہ امام ابن ماجہ غالباً شافعی ہیں۔

ان اقوال کے علاوہ علماء شافعیہ سے شافعی حنبلیہ سے حنبلی ہونا نہایت زور دار طریقہ پر بھی منقول ہے۔

سوال ۳

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَرُوْنِیْ مَا تَرَكْتُكُمْ فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰی اَنْبِیَائِهِمْ فَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَیْءٍ فَخُذُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاِذَا نَهَیْتُكُمْ عَنْ شَیْءٍ فَانْتَهُوْا۔

(الف)۔ حدیث شریف کا معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ مذکورہ حدیث میں فرمانِ نبویؐ پر اکتفاء کرنے کا ایماء اور مزید تفتیش کی قباحت معلوم ہوتی ہے حالانکہ سوال کی ممانعت "فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون" اور حدیث "حُسْنُ السوال نصف العلم" کے عقلاً و نقلاً معارض ہے آپ بالدلیل تعارض کو رفع کیجئے۔

(ج)۔ مندرجہ بالا حدیث میں صرف "ما امرتکم" کیساتھ "ما استطعتم" کی قید کیوں لگائی گئی وضاحت کیجئے۔

جواب سوال ۳

(الف)۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ کو تنبیہ کرتے ہوئے) فرمایا میں نے جس چیز کو چھوڑ دیا تم بھی اس کو چھوڑ دو (اور اس کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کرو اور جب ایک چیز کو مطلق بیان کروں تو اس کی قیود و شرائط کے بارے میں تفتیش نہ کرو) اسلئے کہ تم سے پہلی امتیں اپنے اسی (غیر ضروری قسم کے سوالات اور اپنے انبیاء (کے مراتب و اسوہ) کے بارے میں جھگڑنے ہی کی بنیاد پر ہلاک ہوگئیں (جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے گائے کے اوصاف اور بلاوجہ کی شرائط کی تفتیش کرکے اپنے نبی کو بھی تکلیف دی اور خود بھی پریشانی میں مبتلا ہوئے) تو جب میں کسی چیز کا حکم دوں تو بقدر استطاعت اسے پکڑو (اور حتی الامکان عمل کرنے کی کوشش کرو) اور جب میں تم کو کسی چیز سے روکوں تو اس سے باز رہو (اور امم سابقہ

کی طرح اس منکر کی علت نہی ، نفی کے بارے میں استفسار نہ کرو)۔
(ب)۔ حدیث باب سے مطلق سوال کی نہیں بلکہ قیل وقال لایعنی کھود وکرید اور لغو تفتیش کی شناعت وقباحت ثابت ہوتی ہے کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ناپسند کرتے تھے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی نے امیر معاویہ کو خط لکھتے ہوئے اسی عادت شریفہ کا ذکر فرمایا ہے کہ "انہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کان ینہی عن قیل وقال وکثرۃ السوال"[1]
اس کے بعد محشی بخاری فرماتے "ای نہی عن المسائل التی لاحاجۃ الیہا"[2] نیز مشہور حدیث "ان اعظم المسلمین جرما من سأل عن امر لم یحرم فحرم علی الناس من اجل مسئلتہ" کا مصداق بھی یہی قیل وقال اور لایعنی سوالات ہیں[3]
امام طیبی رح بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ھذا التغلیظ فی حق من سأل عبثا وتکلفا فیما لاحاجۃ بہ" آگے "فاسئلوا اھل الذکر" کے تعارض کو اس طرح ختم کرتے ہیں "دون من یسأل سوال حاجۃ فانہ یثاب"[4]
محشی ابوداؤد "السوال نصف العلم" کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس کے تصادم کو اس طرح ختم کرتے ہیں" واما من یسأل لاستبانۃ حکم واجب اومندوب اومباح قلخفی علیہ فلایدخل فی ھذا الوعید"[5]
امام بغوی نے بھی شرح السنۃ میں یہ تصریح کی ہے کہ جو سوالات بطور تعلم ضروری ہوں تو فاسئلوا اھل الذکر کی رو سے ان کا پوچھنا واجب ہے لیکن جو سوالات محض کھود و کرید اور ذہنی ورزش کے طور پر کئے جائیں حدیث باب میں انھیں کی ممانعت ہے[6]
امام کرمانی رح ایسے سوالات کی ممانعت کی علت یوں بیان کرتے ہیں "السوال عن الشیٔ بحیث یصیر سببا لتحریم شیٔ من المباح وھو اعظم الجرائم لانہ صار سببا لتضییق الامر علی جمیع المسلمین"
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس مقصد کی وضاحت کیلئے ترجمۃ الباب "باب مایکرہ من کثرۃ السوال وتکلف مالایعنیہ وقولہ تعالیٰ لاتسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم" قائم کیا ہے لہٰذا یہ حدیث ایسے ہی سوالات کی قباحت بیان کرتی ہے جب کہ

---

[1] بخاری جلد ثانی ص۱۰۸۱ [2] بخاری جلد ثانی ص۱۰۸۲ [3] ابوداؤد جلد ثانی ص۲۹۶ [4] دیکھئے ترمذی جلد ثانی ص۹۶ کا حاشیہ (۹) [5] ابوداؤد جلد ثانی ص۲۹۶ کا حاشیہ (۱) [6] بخاری جلد ثانی ص۱۰۸۲ وکشف الحاجہ ص۳۲ نیز دیکھئے "تنظیم الاشتات" جلد چہارم ص۲۱۲۔

ضروری سوالات تو صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتے تھے جیسا کہ قرآن کریم میں کلالہ، انفال، شہر حرام، اہلہ، محیض کے سوالات کا ذکر ہے اور ذیلی حدیث سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ ضروری سوالات باعث ثواب بھی ہیں "العلم خزائن ومفاتیحہا السوال الا فاسئلوا فانہ یوجر فیہ اربعۃ السائل والعالم والمستمع والمحب لہم" ہماری اس تشریح سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ حدیث باب اور "فاسئلوا اھل الذکر" نیز "حسن السوال نصف العلم" میں عقلاً ونقلاً کوئی تعارض نہیں۔

(ج)۔ اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے مولانا ساجد صاحب علامہ سیوطیؒ کے قول کی تشریح اس طرح کرتے ہیں "نہیات سے اجتناب بہ نسبت اتیان مامورات کے سہل ہے اس لئے امرتکم کو استطاعت سے مقید کیا گیا وضاحت اس کی یہ ہے کہ کسی کام کو کرنے کیلئے نفس صلاحیت کے علاوہ ایک اور قوت درکار ہوتی ہے یعنی علی الفعل اور فاعلہ للفعل اور چھوڑنے کیلئے محض فقدان صلاحیت ہی کافی ہوتی ہے" اسی لئے نہیتکم کیساتھ استطاعت کی قید نہیں لگائی گئی"۔

سوال ۴: عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضؓ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَذْكُرُ الْفَقْرَ وَنَتَخَوَّفُهُ فَقَالَ الْفَقْرَ تَخَافُونَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَتُصَبَّنَّ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا صَبًّا حَتّٰى لَا يَزِيغَ قَلْبَ أَحَدِكُمْ إِزَاغَةً إِلَّا هِيَهْ، وَايْمُ اللّٰهِ لَقَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلٰى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ" قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ رضؓ صَدَقَ وَاللّٰهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَكَنَا وَاللّٰهِ عَلٰى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ"۔

(الف)۔ اعراب لگاکر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ جب صحابہ کرامؓ حدیث "کاد الفقران یکون کفراً" کے پیش نظر فقر وفاقہ سے ڈر رہے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کثرت مال سے کیوں ڈرایا؟

(ج)۔ "وایم اللہ لقد ترکتکم الخ" کا ماقبل سے ربط بیان کرنے کے بعد "لیلھا ونہارھا" کے مراجع اور "مثل البیضاء" کا مصداق معین کیجئے۔

ترجمۃ الباب "باب اتباع سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" سے حدیث کی مناسبت ظاہر کیجئے۔

جواب سوال ۴: (الف)۔ اعراب کیلئے ص۱ ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابوالدرداء روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس (ایسی حالت میں) تشریف لائے کہ ہم فقر وفاقہ کا تذکرہ کر رہے تھے اور (فقر سے) ہمارے قلب سہم رہے تھے (ہماری حالت کو دیکھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم فقر وفاقہ سے ڈر رہے ہو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے (عنقریب ایک زمانہ آئے گا کہ) تم پر دنیا کی ایسی ریل پیل ہوگی (اور جاہ وثروت سے تم کو اتنا نوازا جائے گا) کہ دنیا کے علاوہ تمہارے دل کو کوئی چیز مائل نہیں کر سکے گی (یعنی دنیاوی و مادی منفعت کے بغیر کوئی کام نہ کر سکو گے) اللہ کی قسم میں نے تم کو ایک روشن (دینی و اسلامی) ماحول میں چھوڑا ہے جس کے رات اور دن بالکل برابر ہیں (جس طرح دن کے اجالے میں کوئی ظلم نہیں ہوتا اسی طرح رات کے اندھیروں میں تمام انسان مامون رہتے ہیں) حضرت ابوالدرداء (اظہار تشکر کے طور پر) کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے سچ کہا واقعی آپ نے ہمیں ایسے ماحول میں چھوڑا جس (کی برکت سے اس کے) رات اور دن یکساں ہیں۔

(ب) صحابہ کرام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرتِ مال سے اس لئے ڈرایا کہ کثرتِ مال فقر وفاقہ سے زیادہ مضر اور اس امت کا خاص الخاص فتنہ ہے کما رواہ الترمذی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "ان لکل امۃٍ فتنۃٌ وفتنۃ امتی المال" نیز اس کثرتِ مال سے ڈرانے میں صحابہ کیلئے تسلی کا پہلو بھی مضمر ہے کہ تم فقر سے ڈر رہے ہو حالانکہ وہ زمانہ بہت جلد آئیگا کہ روم وایران کی حکومتیں اور دولت کے ڈھیر تمہارے قدموں میں ہوں گے تو اس وقت تمہارا فقر سے ڈرنا بیکار ہے بلکہ کثرتِ مال اور اس کے فتنوں سے ڈرو کیونکہ آئندہ تمہاری آزمائش کا یہی میدان ہے۔

ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کثرت تو ہر چیز کی بری ہوتی ہے فقر وفاقہ میں کثرت ہو جائے تو "کاد الفقران یکون کفراً" کا اندیشہ ہے اور اگر کثرتِ مال ہو جائے تو دولت کے نشہ میں انسان خدا کو بھول جائے اور فرعون کی طرح "انا ربکم الاعلیٰ" کے جھوٹے دعوے کرنے لگے لہٰذا تم کو دونوں ہی کثرتوں سے فکر مند رہنا چاہیے تو صحابہ صرف ایک کثرت کی جانب دیکھ رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دوسری کثرت کی جانب بھی توجہ دلادی جو اول سے زیادہ مضر تھی۔

(ج) "وایم اللہ لقد ترکتکم الخ" کا ما قبل سے ربط یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات سے کثرتِ مال وکثرتِ فقر نیز ان کی مضرتوں ومنفعتوں سے متعلق تمام امور و احکام کی وضاحت کردی اور اپنے اصحاب کے سامنے اپنا اسوہ وماحول پیش کیا جو زہد و

قناعت، فقر و فاقہ اور دولت و ثروت پر مشتمل ہے اس میں نہ صرف یہ کہ کوئی ابہام و اجمال نہیں بلکہ ہر امیر و غریب، فقیر و مسکین اور معاشرہ کے ہر انسان کیلئے ایک عظیم عملی نمونہ اور مکمل راہ نمائی ہے اب جو شخص جس حالت و کیفیت میں ہو وہ امیری غریبی اور ہر کیفیت کے احکام سیرت نبوی ؐ و عہدِ رسالت سے اخذ کرلے۔

"لیلھا و نہارھا" کی ضمائر کا مرجع "مثل البیضاء" ہے۔

"البیضاء" کے مصداق میں علماء سے دو قول مروی ہیں:۔

(۱)۔ اگر لفظ "مثل" کو بالفرض زائد تسلیم کیا جائے تو اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے قلوب ایمانی کی تعریف فرمائی ہے یعنی میری پیغمبرانہ تعلیم کی بدولت تمہارے قلوب میں ایمان اتنا راسخ ہوگیا ہے کہ مصائب و آلام کے پہاڑ اور خوشی کے بے قابو لمحات بھی تم کو اللہ کی جانب سے نافل نہیں کرسکتے اور تم مسرت و شادمانی، رنج و غم دونوں حالتوں میں اللہ ہی کے مطیع و فرمانبردار رہو گے۔

(۲)۔ لفظ "مثل" کو باقی رکھنے اور زائد نہ ماننے کی صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے دلوں کو اس زمین سے تشبیہ دی ہے جو اتنی صاف و شفاف ہے کہ دن کا اجالا اور رات کی تاریکی بھی اس پر اثر انداز نہیں ہوتی اور وہ جھاڑ جھنڈ سے بالکل صاف اور ہر طرح کے نشیب و فراز سے بھی بالکل پاک ہوتی ہے اور دن رات دونوں میں برابر چمکتی اور دمکتی رہتی ہے۔

علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ ارض بیضاء سے قلوب کو نہیں بلکہ امت کو تشبیہ دی گئی ہے تو اب مطلب یہ ہوا کہ ملتِ اسلامیہ کی فطری اور سیدھی سادی تعلیمات پر عمل کرنا اتنا ہی آسان و سہل ہے جتنا کہ ارض بیضاء پر دن رات میں کسی وقت بھی چلنا۔

سیاق و سباق کے لحاظ سے علامہ سندھی کی رائے زیادہ راجح اور قرین قیاس ہے۔

(د)۔ امام ابن ماجہ ؒ اس حدیث کو باب اتباع سنت کے تحت لائے ہیں حدیث اور ترجمہ میں مطابقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی سنت امیری نہیں فقیری ہے اور امت کی عافیت و سلامتی بھی اس میں ہے کہ اس میں اپنے نبی کے طریق کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے زہد و قناعت اختیار کرے اور کثرتِ مال کے فتنوں سے دور رہے۔

نیز یہ بھی امام ابن ماجہ نے اشارہ کیا ہے کہ جب امت اتباع رسول اور پیروی سنت چھوڑ دے گی تو وہ فقر و فاقہ کو حقیر سمجھے گی اور مال کی ہوس نیز کثرتِ ثروت کے فتنوں کا شکار ہو جائے گی۔

نیز امام ابن ماجہ ؒ یہ تاثر بھی دینا چاہتے ہیں کہ صاف اور واضح شاہراہ اتباع سنت ہے، اور

جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرے گا وہ کبھی گمراہ نہیں ہوگا اور سنت سے انحراف یقیناً تباہی کا پیش خیمہ ہے اسلئے امت کو فلاح و کامیابی حاصل کرنے کیلئے سنت کی پیروی کرنی چاہیئے کیونکہ یہی صراط مستقیم ہے۔

سوال ۵: ۔ عن معاویۃ بن قرۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَزَالُ طَائِفَۃٌ مِن اُمَّتِیْ مَنْصُوْرِیْنَ لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَذَلَھُمْ حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَۃُ۔

(الف)۔ اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ "طائفۃ" کی تنوین میں جو احتمالات و اقوال ہیں انھیں بیان کرنے کے بعد بتائیے اہل علم کے نزدیک طائفہ سے کون لوگ مراد ہیں؟

(ج)۔ حدیث کے ظاہری مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جماعت قیامت تک رہے گی جب کہ دوسری حدیث میں آتا ہے "لا تقوم الساعۃ الا علی شرار الخلق"، دونوں حدیثوں کا تعارض رفع کیجئے۔

جواب سوال ۵: ۔ (الف)۔ اعراب کیلئے ملاحظہ ہو متن!

حضرت قرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں نصرت (خداوندی) سے مؤید ایک جماعت ہمیشہ موجود رہے گی (اس کے اتباع سنت خلوص للہیت اور غیبی مدد کی بنا پر یہ شان ہوگی کہ) اس جماعت کے افراد (صالحین سے گریز کرنیوالے لوگ (انکی ذلت و حقارت کے خواہاں نیز مخالفین حق) انھیں قیامت تک کوئی گزند نہ پہنچا سکیں گے۔

(ب)۔ "طائفۃ" کی تنوین میں تقلیل و تکثیر اور تعظیم تینوں معنی کا احتمال ہے شراح حدیث میں سے بعض نے تقلیل کو بعض نے تکثیر کو اور بعض نے تعظیم کے معنی کو ترجیح دی ہے تقلیل کی صورت میں معنی یہ ہوں گے یہ لوگ شرذمۃ قلیلۃ کا حقیقی مصداق ہوں گے اور تکثیر کی صورت میں مطلب یہ ہوگا یہ جماعت انسانیت کا عطر و جوہر ملت کا دماغ اور نسل انسانیت کا مکھن اور اسکی روح ہوگی جس کے سامنے حقیقت سے عاری بڑی بڑی قومیں اور زبردست طاقتیں بھی ٹک نہ سکیں گی اور تعظیم کے معنی یہ ہوں گے یہ جماعت نہایت اعلیٰ و ارفع مراتب پر فائز ہوگی اور اس کی شان ہی نرالی ہوگی۔

ان تینوں معنی میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کے بجائے بیک وقت تینوں معنی مراد لینا زیادہ قرین قیاس ہے اب معنی یہ ہوں گے کہ یہ لوگ نہایت قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود دنیاوی واخروی لحاظ سے اتنے باعظمت و ذی رفعت ہوں گے کہ ہزاروں انسان بھی کسی بھی پہلو سے

ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

"طائفۃ" کا مصداق معین کرنے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں حضرت علامہ عثمانی کے بقول ہر مکتب فکر نے اپنے اپنے ذوق و مزاج کے مطابق اس کا مصداق معین بیان کیا ہے ذیل میں چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔

(۱)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ھم اھل العلم"[۱]

(۲)۔ امام ترمذی علی بن مدینی کا قول ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:۔

"سمعت محمد بن اسمٰعیل ھو البخاری ویقول سمعت علی بن المدینی یقول ھم اھل الحدیث"[۲]۔

(۳)۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ان لم یکونوا اھل الحدیث فلا ادری من ھم"[۳]

(۴)۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ امام احمد بن حنبل کے قول کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں "انما اراد احمد اھل السنۃ والجماعۃ ومن یعتقد مذھب اھل الحدیث"[۴]

(۵)۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے "طائفۃ" کے مصداق کو مزید بسیط انداز میں یوں بیان فرمایا ہے "قلت ویحتمل ان ھذہ الطائفۃ مفرقۃ بین انواع المؤمنین منھم شجعان مقاتلون ومنھم فقہاء ومنھم محدثون ومنھم زھاد وآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر"[۵]

(۶)۔ ابن حجر ہند علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے عالی یہ ہے کہ "طائفۃ" سے مجاہدین فی سبیل اللہ مراد ہیں کیونکہ حدیث کے دوسرے طرق میں "یقاتلون علی الحق" کی تصریح موجود ہے[۶]

(۷)۔ اس باب کے تحت حدیث لاکر امام نے یہ اشارہ کیا ہے کہ "طائفہ" سے متبعین سنت کی جماعت مراد ہے۔

(ح)۔ حدیث باب اور "لاتقوم الساعۃ الا علی شرار الخلق" میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقتاً کوئی تعارض نہیں اسلئے کہ یہ جماعت اس وقت تک رہے گی جب کہ خداوند قدوس عمدہ ہوا بھیج کر مؤمنین کی ارواح کو قبض کرلیں گے۔ حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ان ھذہ الطائفۃ تبقی الی علی مجئ الریح التی تقبض روح کل مؤمن ثم

---

[۱] بخاری جلد ثانی ص۱۰۸۵ [۲] دیکھئے بخاری جلد ثانی ص۱۰۸۵ کا حاشیہ (۸) [۳] مسلم شریف جلد ثانی ص۱۴۳ [۴] مسلم شریف جلد ثانی ص۱۴۳ [۵] مسلم شریف جلد ثانی ص۱۴۳ شرح نووی۔ اس حدیث کی مزید تشریح کیلئے ملاحظہ ہو فتح الباری للعسقلانی جلد اول ص۱۳۱، انوار الباری للشیخ البجنوری جلد سوم ص۸۲ مطبوعہ بجنور، ایضاح البخاری للمراد آبادی الجزء الخامس ص۵۸، ۵۹ فتح الملہم للعثمانی جلد اول ص۲۰۳، مرقاۃ المفاتیح لعلی القاری جلد ۵ ص۲۲۳ مطبوعہ بمبئی، درس بخاری للعثمانی ص۳۴۵ [۶] دیکھئے فیض الباری ۰۰ اول ص۱۷۱

یبقی شرار الخلق علیھم تقوم الساعۃ"
اس توجیہ کی تائید بخاری کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں تقوم الساعۃ" کے بجائے
حتی یاتی امر اللہ" کے الفاظ آئے ہیں جس سے ہوا کی بلا تکلف تاویل کی جاسکتی ہے نیز
ابن ماجہ ہی کی دوسری حدیث میں بھی حضرت ثوبان رضؓ سے بھی یہی الفاظ منقول ہیں۔

سوال نمبر ۶ :- عَنْ اَبِیْ عِنَبَةَ الْخَوْلَانِیِّ رضؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
یَقُوْلُ لَا یَزَالُ اللّٰہُ یَغْرِسُ فِیْ ھٰذَا الدِّیْنِ غَرْسًا یَسْتَعْمِلُھُمْ فِیْ طَاعَتِہٖ۔
(الف)۔ اتباع سنت پر مختصر مگر جامع مضمون تحریر فرمائیے۔
(ب)۔ اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔
(ج)۔ اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس روایت سے کیسے ثابت ہوگا، وضاحت کیجئے۔

جواب سوال نمبر ۶ :- (الف)۔ اتباع سنت کے موضوع پر ہم نے "احسن الھدی
ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کے تحت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک
مضمون صفحہ ۵۸ پر نقل کیا اس کا مطالعہ کیجئے اور درج ذیل دلائل سے اسے خود مدلل کیجئے۔

۱۔ یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول۔
۲۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔
۳۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی۔
۴۔ ما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا۔
۵۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔
۶۔ من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ۔

(ابن ماجہ)

(ب)۔ اعراب کیلئے ملاحظہ ہو صفحہ ۲۰
ابوعنبہ خولانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے
سنا کہ اللہ تعالیٰ مسلسل اس دین میں (دین حق کی حامل امت میں) ایسی پود لگاتا رہے گا (اور
نسل در نسل متبعین شریعت کی ایک مخلص جماعت کو پیدا کرتا رہے گا) جس کو وہ اپنی اطاعت
(وفرمانبرداری) میں استعمال کرے گا (اور یہ جماعت برابر قرآن وسنت پر عمل پیرا رہے گی)۔
(ج)۔ مذکورہ حدیث شریف کو ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے "باب اتباع سنۃ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم" کے تحت اسلئے ذکر کیا کہ اطاعت باری تعالیٰ مشروط اور اس کی ادائیگی کیلئے
اتباع سنت لازمی شرط ہے اور کوئی بھی جماعت اللہ کی اطاعت کا فریضہ جب ہی انجام دے

سکے گی جب کہ وہ اتباع سنت اور اطاعت رسول کی تمام منازل طے کرچکی ہو، آیات قرآنی
"قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی، من یطع الرسول فقد اطاع الله، وما
آتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنه فانتھوا" وغیرہ اس حکمت پر صریح دلالت کررہی
ہیں نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ "من اطاعنی
فقد اطاع الله ومن عصانی فقد عصی الله" لہٰذا اس بات پر تمام متقدمین ومتاخرین
فقہاء اور محدثین ومفسرین وعلماء حق متفق ہیں کہ اطاعت خداوندی کیلئے اتباع سنت لازمی اور
اولین شرط ہے اور اس کے بغیر اطاعت خداوندی کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکے گا تو اللہ
تعالیٰ اس جماعت کو اتباع سنت کی توفیق مرحمت فرماکر اپنی اطاعت میں استعمال فرمائیں گے۔ ؎

سوال ۷:- عن جابر رض قال کنا عند النبی صلی الله علیه وسلم فخط خطا
وخط خطین عن یمینه وخط خطین عن یساره ثم وضع یده فی الخط
الاوسط فقال هذا سبیل الله ثم تلا هذه الآیة "وان هذا صراطی
مستقیما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله"

(الف) - اعراب لگاکر معنی نیز ترجمہ کیجئے۔

(ب) - روایت کی ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر کرتے ہوئے اس کا مقصد بیان کیجئے۔

(ج) - نیز یہ بتائیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "ان اختلاف امتی رحمة" کا اس
آیت کریمہ سے بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے آپ تعارض کو رفع کیجئے۔

(د) - مسلمانوں کا ہر فرقہ صراط مستقیم پر گامزن ہونے کا دعویدار ہے آپ صراط مستقیم کو متعین کرنیکے
بعد بتائیے کہ اس معیار [illegible] سا فرقہ پورا اترتا ہے؟

جواب سوال ۷:-

(الف) - اعراب کیلئے ملاحظہ ہو درج بالا حدیث۔
حضرت جابر بن عبداللہ رض فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے
تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہمیں راہ راست سمجھانے کیلئے) ایک لکیر کھینچی پھر دو لکیریں
اپنی دائیں جانب اور دو لکیریں اپنی بائیں جانب کھینچیں پھر (صراط مستقیم کی وضاحت کرتے

؎ قرآن وحدیث اور اطاعت باری تعالیٰ واتباع سنت میں کیا ربط اور آپس میں کیا تعلق ہے اور ایک دوسرے کو جدا
کرنیکی صورت میں اسلام کا کیا وزن رہ جائیگا یہ جاننے کیلئے ایک عربی عالم ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی معرکۃ الآراء کتاب
"السنة ومکانتها فی التشریع الاسلامی" اور سعودی عرب میں رابطہ کے اجلاس میں پڑھا گیا حضرت مولانا
علی میاں مدظلہ کا مقالہ اسلامی ماحول ومزاج کی تشکیل میں حدیث کا بنیادی کردار کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔..

ہوئے) اپنا ہاتھ درمیانی لکیر پر رکھا اور فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے (اس کے علاوہ اردگرد کی لکیریں افراط و تفریط کی شیطانی راہیں ہیں) پھر آپ نے (مسئلہ کو مزید شرح کرنے کیلئے) یہ آیت تلاوت فرمائی" وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ"[1]

(ب) حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے اس روایت کو" باب اتباع سنۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم" کے تحت یوں ذکر کیا کہ اتباع سنت ہی صراط مستقیم ہے اور وہی جماعت اس پر گامزن ہو سکتی ہے جو سنت نبوی کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہو اسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اس طرح بیان کیا" وقد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم فلن تضلوا ابدا امرا نبینا کتاب اللّٰہ وسنۃ نبیہ" تو حدیث وباب میں گہرا ربط و تعلق موجود ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ یہ دین اپنی تعلیمات و عقائد، منہیات و اوامر کے لحاظ سے ایک واضح فطری اور معتدل دین ہے اس میں تم کو جن عقائد کی تلقین کی گئی انکو اپنے قلب و دماغ میں اتارلو جن فرائض وارکان سے مامور کیا گیا ان کو بغیر عقل و دماغ سے پرکھے بجالاؤ اور "سمعنا واطعنا" کا مصداق بننے کی پوری کوشش کرو اور ان تمام امور میں اعتدال اور وسط کو اپنا طرۂ امتیاز بنالو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو امت وسط کا لقب دیا" وکذلک جعلنکم امۃ وسطا" تو حدیث باب میں خط وسط سے آپ نے معتدل شاہراہ اور صراط مستقیم کی وضاحت فرمائی اور دائیں بائیں جانب کی لکیروں سے افراط و تفریط اور غلو کی وضاحت فرمائی۔

حقیقت یہ ہے کہ افراط و تفریط اور غلو جس فرقہ جس ملت اور جس امت میں پیدا ہو جائے تو اس کا صراط مستقیم اور معتدل شاہراہ پر قائم رہنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے جیسا کہ جبریہ نے افراط سے کام لیتے ہوئے جب مسئلہ قدر میں غلو کیا تو بندہ کو مجبور محض قرار دیدیا اس کے برخلاف قدریہ نے اس مسئلہ میں جب قیاس وعقل کے گھوڑے دوڑائے تو اپنی کم سمجھی کی بناء پر قدر ہی کا انکار کر بیٹھے اس طرح شیعہ خوارج معتزلہ وغیرہ کے تمام باطل عقائد اسی افراط و تفریط اور غلو کا نتیجہ ہیں لہٰذا صحیح روش وہی ہے کہ اتباع سنت اتباع صحابہ اور اتباع سلف صالحین کو ہی اپنا طرۂ امتیاز بنایا جائے اور ایسی تمام جماعتوں تمام فرقوں سے بالکلیہ اجتناب کیا جائے جو افراط و تفریط کی دلدل میں پھنسی ہوئی ہیں۔

---

[1] اس حدیث کی تشریح کیلئے دیکھئے" التعلیق الصبیح للکاندھلوی جلد اول ص ۱۲۵، مرقاۃ المفاتیح جلد اول ص ۲۱۱، شرح السنہ جلد اول ص ۱۹۶ ۔ ۱۲

(ج) - (۱) - وإن هذا صراطي مستقيماً فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله۔
(۲) - واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا۔
(۳) - ولا يزالون مختلفين۔

مندرجہ بالا آیات اور اسی قسم کی دوسری آیات اور حدیث "اختلاف امتی رحمۃ" کے الگ الگ محل متعین ہیں ان آیات سے اس اختلاف کی حرمت وقباحت وشناعت ثابت ہوتی ہے جو تقاضۂ نفس اور اتباع ہوس کی خاطر کلیات واصولیات دین میں کیا جائے اور اطاعت باری تعالیٰ کا اس میں شائبہ بھی نہ ہو جب کہ "اختلاف امتی رحمۃ" سے وہ اختلاف مراد ہے جو محدثین ومفسرین فقہاء ومجتہدین اور علماء حق کے درمیان رونما ہوا اور ہر ایک کا مقصد سبب حلت وحرمت کی دریافت اور علت جواز وعدم جواز کی تلاش اور ہر ایک کا مطمح نظر رضاء الٰہی اور یسر فی الدین پیدا کرنا ہے اور یہ اختلاف محض جزوی وفروعی مسائل تک محدود ہو اصولیات وکلیات سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہ ہو تو یہی اختلاف دین میں محبوب اور باعث رحمت ہے حضرت مفتی شفیع صاحب علیہ الرحمہ آیت اور حدیث کے اس تعارض کو ختم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وہ اختلاف جس کو قرآن میں عذاب الٰہی اور رحمت خداوندی سے محروم فرمایا گیا ہے وہ ہے جو اصول وعقائد میں ہو یا نفسانی اغراض واہواء کی وجہ سے ہو اس میں وہ اختلاف رائے داخل نہیں جو قرآن وسنت کے بتلائے ہوئے اصول اجتہاد کے ماتحت فروعی مسائل میں فقہاء امت کے اندر قرن اول سے صحابہ وتابعین میں ہوتا چلا آرہا ہے جس میں فریقین کی حجت قرآن وسنت اور اجماع ہے اور ہر ایک کی نیت قرآن وسنت کے احکام کی تعمیل ہے مگر قرآن وسنت کے مجمل یا مبہم الفاظ کی تعبیر اور ان سے جزوی وفروعی مسائل کے استخراج میں اجتہاد اور رائے کا اختلاف ہے، ایسے ہی اختلاف کو ایک حدیث میں رحمت فرمایا گیا ہے جامع صغیر میں بحوالہ نصر مقدسی وبیہقی وامام الحرمین یہ روایت نقل کی ہے کہ "اختلاف امتی رحمۃ"۔

ہماری اوپر کی توضیح وتشریح سے یہ بات صاف واضح ہو گئی کہ حدیث باب کی آیت اور "اختلاف امتی رحمۃ" میں عقلاً ونقلاً کسی قسم کا کوئی تعارض موجود نہیں اور دونوں کے الگ الگ محل متعین ہیں۔[1]

---

[1] مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو معارف القرآن جلد سوم ص ۹۱-۹۵ نیز ص ۳۶۳

(د) - صراط مستقیم کی وضاحت اور اس کی تعیین کے سلسلے میں یہ حدیث نقل کر دینی کافی ہے :-

"عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملة وتفترق امتی علی ثلث وسبعین ملة کلهم فی النار الاملة واحدة قالوا من هی یارسول الله قال ما انا علیه واصحابی"

شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول یہ بہتر فرقے وجود میں آگئے اور ان کے اصل اصول یہ چھ فرقے ہیں۔[1]

(۱) شیعہ (۲) معتزلہ (۳) خوارج (۴) مرجیہ (۵) جبریہ (۶) مشبہ -
شیعہ کے بتیس[۳۲]، خوارج کے پندرہ[۱۵]، معتزلہ کے بارہ[۱۲]، مرجیہ کے پانچ[۵]، جبریہ کے تین[۳] اور مشبہ کے پانچ[۵] فرقے ہیں۔ اس طرح فرق باطلہ کی تعداد بہتر[۷۲] ہوئی اب سب سے آخری فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت ہے۔

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے معیار "ما انا علیہ واصحابی" کی رو سے دیکھ لیا جائے کہ کون سا فرقہ حق پر ہے اور صراط مستقیم پر گامزن ہے۔ کا دعوی کس فرقہ کا صحیح ہے -

شیعوں کے اصل الاصول عقائد یہ ہیں :-

(۱) امامت معصومہ (۲) تقیہ (۳) متعہ (۴) انکار مسح علی الخفین (۵) رجعت (۶) تحریف قرآن (۷) تکفیر صحابہ -

ان عقائد کی موجودگی میں شیعوں کا صراط مستقیم پر قائم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو سراسر اسلام و ایمان اور نبوت محمدی کے حریف ہیں[2]

معتزلہ کے عقائد قرآن کا مخلوق ہونا، بندوں کا اپنے افعال کا خود خالق ہونا نیز رویت باری تعالی مقتول میت حرام رزق، عذاب قبر، سوال منکر نکیر، میزان حوض کوثر، صراط، شفاعت نبوت آدم

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھئے: الفصل لابن حزم، الملل والنحل للشہرستانی، العقیدۃ الواسطیہ لابن تیمیہ، الفرق الاسلامیہ للبشیشی، تاریخ المذہب الاسلامیہ للشیخ ابی زہرہ، البدایہ والنہایہ [2] عقائد شیعہ کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو منہاج السنہ لابن تیمیہ، کتاب الشفاء للقاضی، غنیۃ الطالبین صفحہ ۱۵۶،۱۵۷، تحفہ اثنا عشریہ للدہلوی، تنبیہ الحائرین للفاروقی، آیات بینات لمحسن ملک، ہدایت الشیعہ للگنگوہی، ہدیۃ الشیعہ للنانوتوی، ہدایات الرشید للسہارنفوری، نیز حضرت مولانا نعمانی مدظلہ کی کتاب "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت" اور انھیں کا استفتاء، اور حضرت محدث اعظم کے فتوی کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

اور کرامات اولیاء وغیرہ کے انکار کی موجودگی کی صورت میں ان کا صراط مستقیم پر گامزن ہونے کا دعویٰ سراسر باطل ہے کیونکہ یہ تمام باطل خیالات عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ میں ناپید ہیں اب خوارج کے عقائد پر ایک نظر ڈالئے تو وہ مرتکب کبیرہ کو کافر قرار دیتے ہیں حضرت علی و امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے حامی تمام صحابہ و تابعین کو کافر گردانتے ہیں اپنے مخالف مذہب کا خون ان کے نزدیک حلال اور اس کی شہادت مردود ہے اس کے علاوہ شیعہ اور معتزلہ کے اکثر عقائد باطلہ میں خوارج بھی انکے برابر کے شریک ہیں لہٰذا ما انا علیہ واصحابی کا ان سے بھی کوئی تعلق نہیں انکا دعویٰ حق بھی اوہام باطلہ پر مبنی ہے۔[1]
اب رہے مرجیہ تو وہ اعمال صالحہ کی افادیت کے منکر ہیں اور جبریہ بندہ کو مجبور محض مانتے ہیں اسی طرح مشبہہ باری تعالیٰ کیلئے تشبیہ کے قائل ہیں لہٰذا ان مذکورہ گمراہ فرقوں کا بھی صراط مستقیم سے کوئی تعلق نہیں اور مذکورہ تمام فرقِ باطلہ کا دعویٰ حق سراسر بطلان و اوہام پر مبنی ہے اس صراط مستقیم پر کون سا فرقہ گامزن ہے اسکے بارے میں حضرت علامہ بدرعالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ فیصلہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"خلاصہ یہ کہ ظاہر یہی ہے کہ اس فرقہ (فرقہ ناجیہ) سے وہی فرقہ مراد ہے جس نے سنت پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا ہے بدعت سے وہ ہمیشہ دور اور نفور رہا اس کے اعتقاد و عمل کے دونوں بازو درست ہیں یہی فرقہ سیدھا جنت میں داخل ہوگا اور لفظ "ما انا علیہ واصحابی" بھی زیادہ تر اسی پر چسپاں ہوتا ہے۔"[2]

اب ظاہر ہے کہ اس فرقہ ناجیہ سے صرف اہل سنت والجماعت ہی کا فرقہ مراد ہے کیونکہ ایمان و قدر اعمال و عقائد میں وہ صحابہ کے نقش قدم پر ہے نیز قرآن، حوض کوثر، میزان، صراط، جنت، عذاب، ثبوت آمد، کرامات اولیاء، مسح علی الخفین، متعہ اور اس جیسے تمام مسائل میں اہل سنت والجماعت حضرات صحابہ کیساتھ ساتھ ہیں نیز مذکورہ عقائد کا عہد رسالت و عہد صحابہ میں جو تصور اور جو تخیل پایا جاتا ہے اہل سنت والجماعت پورے طور پر اسی کے پابند ہیں اور کسی بھی مسئلہ میں انھوں نے صحابہ سے خروج نہیں کیا لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ "ما انا علیہ واصحابی" اور "الملۃ واحدۃ" کا یہی فرقہ مصداق ہے۔ صراط مستقیم پر گامزن ہونے کا دعویٰ بھی اسی جماعت کا ٹھوس دلائل اور روشن براہین پر مبنی ہے اسلئے مذکورہ تشریح کی روشنی میں یہی فرقہ اس معیار پر پورا اترتا ہے۔[3]

---

[1] معتزلہ کے عقائد کیلئے دیکھئے "شرح عقائد"۔ [2] ترجمان السنہ جلد اول ص۔ [3] "ما انا علیہ، اصحابی" کی تفصیل کیلئے دیکھئے ترجمان السنہ للمیرٹھی ص ۷۹ جلد اول۔ اس کے علاوہ دیکھئے اختلاف امت اور صراط مستقیم۔ دین و شریعت۔

سوال ۳:- عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رض أَنَّهُ كَانَ جَالِسًا إِلَى جَنْبِهِ ابْنُ أَخٍ لَهُ فَخَذَفَ فَنَهَاهُ وَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْهَا وَقَالَ إِنَّهَا لَا تَصِيدُ صَيْدًا وَلَا تَنْكِي عَدُوًّا وَإِنَّهَا تَكْسِرُ السِّنَّ وَتَفْقَأُ الْعَيْنَ قَالَ فَعَادَ ابْنُ أَخِيهِ يَخْذِفُ فَقَالَ أُحَدِّثُكَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْهَا ثُمَّ عُدْتَ تَخْذِفُ لَا أُكَلِّمُكَ أَبَدًا۔

(الف)۔ اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ حدیث باب کی ترجمۃ الباب "باب تعظیم حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" سے کیا مناسبت ہے؟ بیان کیجئے۔

(ج)۔ "لا اکلمک ابدا" صحابی کا یہ جملہ حدیث "لایحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلث لیال" کی رو سے غیر درست معلوم ہوتا ہے آپ اس کی توجیہ بیان کیجئے۔

جواب سوال ۳:- (الف)۔ اعراب کیلئے ملاحظہ ہو درج بالا حدیث۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) عبداللہ بن مغفل رض کا بھتیجا انکے برابر میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک اس نے (کنکر) اٹھا کر پھینکا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اسے ڈانٹا اور (ناصحانہ انداز میں) فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے (لغو اور فضول) کاموں سے منع فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کی حکمت یہ) بیان کی ہے کہ یہ (حقیر اور معمولی کنکر) نہ تو شکار مار سکتا ہے اور نہ ہی (وہ اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے کہ) دشمن کو کوئی گزند پہنچا سکے (ہاں البتہ) اس سے (نقصان) تو ہو سکتا ہے کہ وہ کسی آنے جانے والے کا دانت توڑ دے اور کسی کی آنکھ پھوڑ ڈالے سعید بن جبیر (متعجب ہو کر) فرماتے ہیں کہ (اتنا سمجھانے کے باوجود بھی) ان کے (کم سن) بھتیجے نے پھر وہی حرکت کی اور (دوبارہ کنکر پھینکنے لگا) یہ دیکھ کر عبداللہ بن مغفل غصہ سے بے قابو ہو گئے اور) انھوں نے کہا کہ میں تجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کر رہا ہوں کہ آپ نے اس طرح کے لغو اور لاحاصل کاموں سے منع فرمایا ہے اور (تو پھر بھی) دوبارہ کنکر پھینکنے لگا (خدا کی قسم) میں تجھ سے کبھی نہیں بولوں گا۔

(ب)۔ حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اس روایت کو "باب تعظیم حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے تحت اسلئے لائے کہ تعظیم حدیث کا یہ تقاضا ہے کہ ایک مسلمان شوق و رغبت سے حدیث سنے اور اس کے احترام میں اپنے تمام لغو اور فضول کاموں سے دستبردار ہو جائے حضرت عبداللہ بن مغفل اپنے بھتیجے پر اسی لئے اتنے خفا ہوئے کیونکہ اس کا یہ عمل اور یہ روش تعظیم حدیث

منافی تھا تو ان کے قول "احدثك ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عنها ثم عُدت تخذف" میں ہی ترجمۃ الباب موجود ہے۔

(ج)۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ بظاہر حدیث "لایحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلث لیال"[ا] سے معارض ہے کیونکہ حدیث شریف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تین دن سے زیادہ قطع تعلق کی اسلام اجازت نہیں دیتا جب کہ یہاں صحابی مذکور ہمیشہ نہ بولنے کا عہد کر رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ دونوں اصولوں میں کوئی معارضہ نہیں اور صحابی کا یہ عمل حدیث کے زمرہ میں نہیں آتا کیوں کہ تین دن سے زیادہ قطع تعلق اس وقت ہی حرام ہوگا جب کہ اس کی کدورت وعداوت کی وجہ کوئی دنیاوی سبب ہو جبکہ یہاں ایک امر دینی کی وجہ سے صحابی تا دنیا قطع تعلق کر رہے ہیں جو اسلام کی نگاہ میں نہ صرف جائز بلکہ ایک مستحسن امر ہے اور الحب للہ والبغض للہ کا صحیح مصداق ہے، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم شریف میں یہ ترجمۃ الباب قائم کر کے اسی مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے "باب تحریم الھجر فوق ثلثة ایام بلا عذر شرعی" اس سے معلوم ہوا کہ شرعی عذر کی بنا پر اس سے زیادہ قطع تعلق کی اجازت ہے۔[۲]

نیز علماء امت اس پر متفق ہیں کہ کسی امر منکر پر نکیر کیلئے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کیا جا سکتا ہے لہٰذا صحابی رض کے عمل پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

اب مسئلہ کی مزید تشریح کیلئے ذیل میں علماء کے اقوال ملاحظہ کیجئے:۔

(۱) - امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ کی دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں "النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجر بعض نسائه اربعین وابن عمر رض ھجر ابنا له حتی مات" آگے فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ جب ہی ہے جبکہ یہ قطع تعلق خالص اللہ کیلئے ہو قال ابوداؤد رح "اذا کانت الھجرة الی اللہ"[۳]

[ا] یہ روایت بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی نیز ابن ماجہ کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں بھی موجود ہے۔
[۲] دیکھئے شرح نووی مسلم جلد ثانی ص ۳۱۶
[۳] ملاحظہ ہو بذل المجہود جلد خامس ص ۳۶۱ -

(۲)۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اسی قطع تعلق کی تخصیص کرتے ہوئے کہتے ہیں "واما ما کان من جہۃ الدین والمذہب فہجران اہل البدع والاھواء واجب الی وقت ظہور التوبۃ ومن خاف من مکالمۃ احدٍ وصلتہ مایفسد علیہ الدین اویدخل مضرتہ فی دنیاہ یجوز لہ مجانبتہ والبعد عنہ" صاحب سنن المصطفی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے[۱]۔

(۳)۔ ملا علی قاری رح اس مسئلہ پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں "فان ھجرۃ اہل الاھواء والبدع واجبۃ علی مر الاوقات مالم یظہر منہ التوبۃ والرجوع الی الحق" اس کے بعد ملا علی قاری حضرت عائشہ وابن زبیر، غزوہ تبوک کے تین صحابہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی بیویوں کے ساتھ قطع تعلق کی مثال دیتے ہیں[۲]۔

(۴)۔ امام خطابی فرماتے ہیں "رخص للمسلم ان یغضب علی اخیہ ثلث لیال لقلتہ ولایجوز فوقہا الا اذا کان الہجران فی حق من حقوق اللہ تعالیٰ فیجوز فوق ذلک[۳]"۔

(۵)۔ علامہ شامی اور ابن عبدالبر نے بھی صراحت کی ہے کہ تحفظ دین اور منکر پر نکیر کیلئے تین دن سے زیادہ بھی ترک کلام کیا جا سکتا ہے۔

(۶)۔ شیخ عبدالغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ صحابی کے اسی عمل پر بطور حجت بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں" وفیہ جواز الہجران من اہل المعاصی ان اصروا شیئا[۵]۔

سوال ۹:۔ عن علی رض بن ابی طالب قال اذا حدثتم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیثا فظنوا بہ الذی ھو اھناہ ۔ ھداہ واتقاہ۔

(الف)۔ روایت بالا پر اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ خط کشیدہ الفاظ کی لغوی تحقیق کیجئے۔

(ج)۔ نیز یہ بتایئے کہ اھناہ واھداہ واتقاہ فرمانے کا مقصد اگر یہ ہے کہ اہل زیغ وضلال کلام شارع

---

[۱] بذل المجہود جلد خامس صہ ۳۶ نیز دیکھئے ابوداؤد جلد ثانی صہ ۳۲۲ کا حاشیہ (۱) [۲] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد رابع صہ ۱۶ تا ۳۵ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو بخاری جلد ثانی صہ ۸۹۷ حاشیہ (۶)۔ ترمذی جلد ثانی صہ ۱۵ بذل المجہود صہ ۲۶۱ فیض الباری کشمیری جلد رابع صہ ۳۸۱۔ مرقاۃ لعلی القاری صہ ۱۶ مشکوٰۃ المصابیح جلد ثانی صہ ۴۲۷ کا حاشیہ، ماخوذ لمعات، تنظیم الاشتات جلد چہارم صہ ۲۱۲۔

علیہ السلام کے عموم واشتراک اور اجمال کو ابتغاء فتنہ کیلئے استعمال نہ کر سکیں تو اس مقصد کو الفاظ مذکورہ کی روشنی میں مع امثلہ شرح فرمائیے۔

جواب سوال ۹:۔ (الف) اعراب کیلئے ملاحظہ ہو ص۲۵

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب میں تمہارے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث (قولی فعلی، تقریری نیز وصفی) بیان کروں تو اس کے وہی معنی مراد لو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت وتقوی وورع (نیز شان نبوت ورسالت) کے شایان شان ہو (اور اہل زیغ وضلال کی طرح اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش مت کرو)۔

(ب)۔ أهنئ، افعل کے وزن پر ھنا یھنئ ض پر عافیت ومبارک ہونا یعنی بہت زیادہ مبارک معنی

اھدیٰ، ھدیٰ یھدی ض راہنمائی کرنا بہت زیادہ اچھے معنی۔

اتقیٰ، تقی یتقی ض پرہیز کرنا بہت زیادہ محتاط معنی

(ج)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ فرق باطلہ کی طرح حدیث کے عموم واشتراک نیز اجمال سے ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ اور ان کے وہی معنی مراد لو جو جہاں شریعت اسلامی کی کلیات و جزئیات اور اس کے اصول وفروع کے عین مطابق ہو وہیں ان معنی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال فقاہت وذکاوت معانی واستنباط کے ذخائر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک تقدس جھلکتا ہو آپ کے اقوال کے ایسے معنی مراد لینا جو شریعت اسلامی سے متصادم مزاج اسلام کے مخالف اور حکمت ودانشمندی سے خالی ہو قطعاً درست نہیں نیز اقوال رسول اللہ ﷺ کے عموم و اشتراک اور اجمال کے موقع پر آپکی پوری حیات مبارکہ اور تعلیمات نبوی ہی کی روشنی میں ان کے معنی کی تعیین کی جائیگی کیونکہ بسا اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مطلق کو دوسری جگہ مقید ایک مشترک کو دوسری جگہ مؤول اور ایک مجمل کو دوسری جگہ مفسر بیان کیا ہے لیکن یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ ہر جگہ آپ اپنے قول ہی سے ان کی وضاحت فرمائیں بلکہ بسا اوقات آپ عموم واشتراک اور اجمال کو اپنے افعال اور تقریرات سے بھی مقید۔ مؤول اور مفسر فرماتے ہیں ـــــ اسلئے ان کے معنی کی تعیین کیلئے آپکی پوری حیات مبارک اور آپکی تعلیمات نبوی کا عمیق مطالعہ ضروری ہے ـــــ اب ذیل میں تینوں کی وہ مثالیں قلمبند کی جاتی ہیں جن سے گمراہ لوگوں نے وہ معنی مراد لئے جو مزاج اسلام اور دوسری نصوص صریحہ کے عین مخالف ہیں۔

عموم کی مثال:

"من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ"

اس حدیث کے عموم سے یہ مطلب نکالا کہ ایمان فقط عمل باللسان ہے اس کے اقرار کے بعد

اعمال صالحہ کی منفعت اور اعمال خبیثہ کی مضرت کی کوئی حقیقت نہیں اور ایسا اقرار کرنے کے بعد انسان جنت کا مستحق ہوگا چاہے عمر بھر گناہ کبیرہ اور معاصی میں ملوث رہے۔ اس کے برخلاف خوارج و معتزلہ لا ایمان۔ لیس منا۔ لا سھم فی الاسلام جیسے حدیث کے عموم سے مرتکب کبیرہ کو قطعی کافر اور مرتد قرار دیتے ہیں۔

اشتراک کی مثال:

"من کنت مولاہ فعلی مولاہ" (ترمذی)۔

امام جزری رحمۃ اللہ علیہ نہایہ میں فرماتے ہیں کہ لغت میں مولی کے متعدد و مختلف معنی آئے ہیں ذیل میں وہ معنی نقل کئے جاتے ہیں:۔

(۱) رب (۲) مالک (۳) سید (۴) منعم (۵) معتق (۶) ناصر (۷) محب (۸) تابع (۹) جار (۱۰) ابن العم (۱۱) حلیف (۱۲) عقید (۱۳) صہر (۱۴) عبد (۱۵) معتَق (۱۶) منعم علیہ[۱]

اتنے کثیر معنی پائے جانے کی بنا پر علماء حق نے پوری شریعت اسلامیہ اور اس کی کلیات و جزئیات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کے یہ معنی بیان کئے کہ "اگر میں کسی کو دوست بناؤں اور کسی سے محبت کروں تو علی رضؓ بھی میری اتباع و محبت میں اسے دوست بنالیں گے اور اس سے محبت کریں گے دوسرا مطلب یہ ہے کہ "جو مجھے دوست بنائے گا علی رضؓ اسے دوست بنائیں گے" تو اس طرح یہ لفظ نو (۹) حلیف کے معنی کیساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمایا۔ لیکن شیعوں نے اپنی موروثی خباثت کا ثبوت دیتے ہوئے اس کے اشتراک کو فتنہ کے طور پر استعمال کیا اور یہ معنی بیان کئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جن امور میں تصرف کا حق ہے علی بھی ان میں تصرف کے برابر مستحق ہیں اور امور مسلمین اسی تصرف کے تحت آتے ہیں لہٰذا وہی ان کے بلافصل امام ہوئے اس طرح انھوں نے مالک، سید، رب کے معنی کیساتھ ترجمہ کیا جو قطعاً ایک بہتان ہے[۲]۔

---

[۱] دیکھئے تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری جلد رابع صفحہ ۳۲۶ [۲] مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ترمذی جلد ثانی صفحہ ۲۱۳ مشکوۃ المصابیح جلد ثانی صفحہ ۵۶۵ نیز مرقاۃ المفاتیح لعلی القاری جلد ۵ صفحہ ۵۶۸، تحفۃ الاحوذی جلد رابع صفحہ ۳۲۶ اور اس حدیث کے طرق کیلئے دیکھئے فتح الباری شرح بخاری للعسقلانی جلد ہفتم ص ۶۰۔

اجمال کی مثال:۔

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی رضی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسی الا انہ لا نبی بعدی" (متفق علیہ)۔

اس حدیث کے اجمال سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے روافض امامیہ اور شیعوں نے خلفاءِ ثلٰثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کے بطلان پر استدلال کیا ہے اور کہا کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی علانیہ وصیت کی تاکید فرمائی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی غیر موجودگی میں حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ و نائب مقرر کیا لہٰذا حدیث کی رو سے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی بلا فصل خلافت و امامت کے زیادہ مستحق ہیں۔

ہمارے علماء حق نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اس حدیث کے اجمال سے شیعوں کا استدلال ایک پر فریب مغالطہ ہے کیونکہ اپنی عدم موجودگی میں کسی کو نائب اور کارگزار خلیفہ بنا دینا اگر خلافت کبریٰ کی دلیل ہے تو حضرت ابن ام مکتوم اور دوسرے صحابہ کو بھی خلافت کبریٰ ملنی چاہئے کیونکہ انہیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا ایسا عارضی نائب و خلیفہ بنایا ہے لیکن اس کا کوئی قائل نہیں۔

اور جہاں تک حضرت علی کو حضرت ہارون سے تشبیہ دینے کی فضیلت کا سوال ہے تو آپ نے اس سے پہلے حضرت صدیق اکبر کو حضرت ابراہیم و حضرت عیسیٰ کیساتھ اور حضرت عمر کو حضرت موسیٰ و حضرت نوح کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تشبیہ حضرت ہارون سے تشبیہ دینے سے زیادہ بالا و برتر ہے[1]۔

اس حدیث کی تفصیل آگے بھی آ رہی ہے۔

سوال نمبر ۱:۔ عن ابی ھریرۃ رض عن النبی صلی اللہ وسلم انہ قال لا تحرفوا ما یحدث احدکم عن الحدیث وھو متکئ علی اریکتہ فیقول اذا لی قرآنا ما قیل

---

[1] مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو بخاری جلد اول ص ۵۲۶ حاشیہ ۱۲، مسلم شریف جلد ثانی ص ۲۷۸ کی شرح نووی، ترمذی جلد ثانی ص ۲۱۳، مشکوٰۃ المصابیح جلد ثانی ص ۵۶۳ نیز اس سلسلے کی شروحات دیکھئے، فتح الباری للعسقلانی جز ہشتم ص ۔۔، سیرت مصطفیٰ للکاندھلوی جلد ۳ ص ۳ غزوہ تبوک، فیض الباری للکشمیری جلد چہارم ص ۶۸، تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی للمبارکفوری جلد رابع ص ۳۲۹، ۳۲۸، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح لعلی القاری جلد پنجم ص ۵۶۳ مطبوعہ بمبئی، الکوکب الدری للشیخ الگنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جلد ثانی ص ۲۲۵

مِنْ قَوْلٍ حَسَنٍ فَاَنَا قُلْتُهٗ "

(الف) اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ "ما قیل من قول حسن" کی قابل قبول تشریح کیجئے۔

(ج) "متکی علی اریکتہ" کی خاص طور پر وضاحت کیجئے۔

جواب سوال ۲:۔ (الف) ۔ اعراب کیلئے نمبر ۱ ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (خبردار) میں یہ نہ پاؤں کہ تم میں سے کوئی میری حدیث بیان کرے اور اپنے تخت پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا ہو اور وہ حدیث سن کر نہ صرف اس کی جانب متوجہ نہ ہو بلکہ ناقل حدیث سے (اٹھلاتے ہوئے) کہے کہ (صرف) قرآن پڑھو (اگر یہ حدیث قرآن کے مطابق ہوئی تو مانیں گے ورنہ نہیں نیز) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عمدہ بات کہی جائے تو (سمجھ لو کہ) اس کو میں نے ہی کہا ہے (اسلئے اس شخص کو چاہیے کہ اپنے اس نامناسب رویہ سے میرے عمدہ قول کی تکذیب کرے)

(ب)۔ شیخ عبد الغنی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ نے اس جملہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں "ای ما نقل عنی من قول حسن فالقائل انا" یعنی میری جانب سے جو عمدہ بات کہی جائے تو اس کو یقیناً میں نے ہی کہا ہے۔[1]

فرمانِ رسول اللہ صلعم کا مقصد یہ ہے کہ جب سنانے والا ایسی بات بتا رہا ہے جو تمام ادیان محرفہ سے بیزاری خدا پرستی توحید نیز ارکانِ اسلام کی تشریح سے متعلق ہے اور اس میں افکار فاسدہ اوہام باطلہ اور کفر و شرک کا شائبہ تک نہیں اور اس کے مضمون و مفہوم سے شانِ نبوت کا انداز اور اس کی عبارت و الفاظ سے معیار رسالت کا تقدس جھلکتا ہے تو اس کی تصدیق میں پس و پیش کرنا تذبذب و تردد کا شکار ہونا اس کو قرآن کے خلاف سمجھنا عیش پرستوں کج فہموں اور گمراہوں کا کام ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب جب ایک بات صحیح سند سے ثابت ہو رہی ہے تو یقیناً وہ اپنے حسن معانی حقائق ایمانی اور لاثانی تعلیمات وارشادات میں اپنی مثال آپ ہوگی اور قرآن سے اس کے تعارض کا سوال ہی نہیں اٹھتا کیوں کہ قرآن اپنے منفرد و ممتاز معیار کی بنا پر جس چیز کو اعلیٰ و ارفع اور حسن معانی میں لاثانی ولافانی ٹھہرائے گا تو اس معیارِ قرآنی

---

[1] دیکھئے ابن ماجہ شریف جلد اول صہ

کی تمام صفات حسنہ یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وارشادات میں بدرجہ اتم موجود ہوں گی۔
حضرت امام ازہری رحمۃ اللہ علیہ اس کے ذیل میں ایک مسئلہ کا استنباط کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-
"وفیہ دلیل علی انہ لاحاجۃ بالحدیث الی ان یعرض علی الکتاب وانہ مہما ثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان حجۃ بنفسہ"[1]
کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے ابہام واجمال کی جو تشریح اور توضیح فرمائی ہے اس کے قرآن سے متعارض ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسلئے وہ بذات خود حجت قطعی اور دلیل شرعی ہے اور جہاں اس کا بظاہر تعارض نظر آئے تو وہ فی الحقیقت تعارض وتصادم نہیں بلکہ وہ ہمارے ذہنوں کا فساد اور ہماری عقلوں کا خلجان ہے۔
بعض اہل علم حضرات نے "ماقیل من قول حسن فانا قلتہ" کو متکی کا قول قرار دیا ہے تو اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ "متکی علی اریکتہ" یہ کہہ رہا ہے کہ اس حدیث کو قرآن کی روشنی اور اس کی اصولیات کے آئینہ میں جانچو اور پرکھو قرآن کی رو سے جو بات عمدہ اور صحیح ٹھہرے گی میں بھی اسے تسلیم کروں گا تو گویا کہ یہ شخص حجیت حدیث کی ایک حد تک تردید ونفی کر رہا ہے اسی لئے قابل مذمت ہے اور اسی کے پیش نظر امام ازہری رح نے یہ نصیحت کی "لا تناظر بکتاب اللہ ولا بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"[2]۔

(ج)۔ "متکی علی اریکتہ"
اس کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے محشی شرح السنہ فرماتے ہیں "السریر ویقال لا یسمی اریکتہ حتی یکون فی حجلۃ"[3]
امام ازہری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں "کل ما اتکی علیہ فہو اریکۃ واراد بہذہ الصفۃ اصحاب الترفہ والدعۃ الذین لزموا البیوت وقعدوا عن طلب العلم"[4]
ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس تمثیل کی حکمت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں "ای متکئا وجالسا علیہا وفیہ تاکید لحماقۃ القائل وبطرہ وسوء ادبہ"
اس کے بعد مزید فرماتے ہیں "المراد بہذہ الصفۃ الترفہ والدعۃ کما ہو عادۃ المتکبر المتجبر القلیل الاہتمام بامر الدین"[5]

---

[1] ملاحظہ ہو شرح السنہ جلد اول ص۲۰۱ مطبوعہ سعودی عربیہ [2] دیکھئے شرح السنہ جلد اول ص۲۰۱ [3] ایضاً [4] ایضاً
[5] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح جلد اول ص۱۹۵

ہمارے اکابر میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری ؒ نے ان مذکورہ تمام معانی و مطالب کو محض ایک جملہ میں ادا کر دیا ہے فرماتے ہیں "ھذا اشارۃ الی تکبرہ ونخوتہ"[ا۔ب]
علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ سے منکرین حدیث کی جانب ایک لطیف اشارہ ہے علامہ ؒ کی یہ تحقیق ان کی دقتِ نظر اور شانِ فقاہت کا ایک عظیم نمونہ ہے[ا۔ب]۔

سوال ۱۱:۔ عن ابن عباس رضؓ یقول انا کنا نحفظ الحدیث والحدیث یحفظ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاما اذا رکبتم الصعب والذلول فھیھات۔

(الف)۔ اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ خط کشیدہ الفاظ کی لغوی و اصطلاحی تشریح کیجئے۔

(ج)۔ ترجمۃ الباب "باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" سے مناسبت ظاہر کرنے کے بعد بتلایئے کہ یہ حدیث عہد رسالت میں احادیث کے بارے میں کس قسم کی احتیاط کا پتہ دے رہی ہے؟

(د)۔ اس روایت سے کوئی مسئلہ مستنبط کر کے دکھلایئے۔

جواب سوال ۱۱:۔ اعراب کیلئے ملاحظہ کیجئے صفحہ ہٰذا

(الف) حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ (عہد رسالت میں) ہم حدیث یاد کیا کرتے تھے اور حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے یاد کیجاتی تھی لیکن جب سے تم لوگ ہر اچھی بری پر سواری کرنے لگے (اور ہر قسم کی ضعیف و منکر حدیث بیان کرنے لگے) تو اب (تم سے اور ان حدیثوں سے) دوری ہی (بہتر) ہے (کیوں کہ ان روایتوں کی تصدیق یا تکذیب دونوں ہی خطرناک ہیں)۔

(ب)

الفاظ	لغوی معنی	اصطلاحی معنی
الصعب	خراب اور ناقابل نفرت اونٹ	ہر بے بنیاد اور ناکارہ شئی

ا۔ب بذل المجہود شرح ابی داؤد جلد پنجم۔ ا۔ب علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تحقیق تلاش و جستجو کے باوجود احقر کو کہیں نہیں مل سکی لیکن اس حدیث کے ذیل میں استاذ محترم نے جو وضاحت دوران درس فرمائی تھی احقر کو وہی مستحضر ہے اور اسی یادداشت کی بناء پر یہ تحقیق قلمبند کر دی ہے لیکن پھر بھی راقم سطور کا خیال ہے کہ علامہ کی یہ تحقیق غالباً ابن ماجہ کے اس نسخہ میں موجود ہوگی جس پر علامہ نے حاشیہ چڑھایا تھا اور جو اب نایاب ہے۔ اس حدیث کی مزید تفصیل کیلئے دیکھئے مسند امام احمد ۲/۶ ترمذی کتاب العلم ص۹۰ سنن دارمی اول ص۱۲۳، الرسالۃ للامام الشافعی ص۲۹۵۔

الذلول — عمدہ اور پرجاذب اونٹ — ہر عمدہ اور بہترین چیز
ھیھات — بتثلیث الاخر اسم فعل ہے مایوسی اور استبعاد کے وقت بولا جاتا ہے۔
یعنی جب حالات اتنے خراب ہو گئے تو سنبھلنے کی امید تو بہت کم ہے اسلئے ان سے دوری ہی بہتر ہے تاکہ کسی فتنہ میں اپنا دامن تو ملوث نہ ہو۔

(ج)۔ حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمۃ نے یہ حدیث "باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے تحت ذکر کی ہے ترجمہ اور حدیث باب میں مطابقت ظاہر ہے کہ فرمان رسول اور اقوال نبی کے سلسلے میں بے حد محتاط رویہ اپنانا چاہیئے نیز "من یقل علی مالم اقل فلیتبوأ مقعدہ من النار" کے پیش نظر صرف وہی احادیث بیان کی جائیں جو بہت اچھی طرح محفوظ واز بر ہوں اور ان احادیث کی تحدیث وتشہیر سے احتیاط وپرہیز اور بالکلیہ اجتناب کیا جاوے جن میں ذرا بھی شک وشبہ اور تردد پایا جاتا ہو تو درج بالا حدیث میں "فلما رکبتم الصعب والذلول فھیھات" ہی ترجمۃ الباب ہے اور اس جملہ سے حضرت ابن عباس لوگوں کو فتنہ کرنے کے ساتھ ساتھ احتیاط فی الحدیث پر ابھار رہے ہیں اور توقی فی الحدیث کی تلقین کر رہے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضؓ کی یہ روایت بتا رہی ہے کہ عہدِ رسالت میں احادیث کو یاد کرنیکا اہتمام تھا اور صحابہ کرام رضؓ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپکے اقوال اور آپکی دعاؤں نصیحتوں اور مواعظ کو باقاعدہ طور سے یاد کیا کرتے تھے اور آپکے قیمتی فرمودات کو سنتے انھیں اپنے دل ودماغ میں بسانے نیز انھیں حیطۂ ضبط میں قید کرنے کیلئے بے چین رہا کرتے تھے تو کتابت حدیث کے ساتھ ساتھ تدوین حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ دل ودماغ اور سینوں میں منتقل ومحفوظ کیا جا رہا تھا تاکہ قرآن کے ممیز ہونے کے بعد فوراً کتابت حدیث کا سلسلہ شروع کر دیا جائے اور سینوں کے علم کو سفینوں کے ذریعہ تمام عالم میں پھیلا دیا جائے اسی غرض سے احادیث محفوظ کی جا رہی تھیں۔

حضرت ابن عباس رضؓ کی روایت میں یہ احتیاط بھی نمایاں نظر آ رہی ہے کہ عہدِ رسالت میں جو بات وقول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہوتا صحابہ اس سلسلے میں براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کرتے اور اس کی تحقیق وتفتیش کرتے اور دربار رسالت سے حقیقت ظاہر ہونے کے بعد اس حدیث کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے یاد کرتے کہ کہیں "من کذب علی متعمداً الخ" کا مصداق نہ ہو جائیں۔

(د)۔ اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ مسلمانوں کو سنی سنائی باتوں کا یقین نہیں کرنا چاہیئے

اور صاحب معاملہ سے حقیقت حال اور مسئلہ کی نوعیت کی بابت استفسار کرنا چاہیئے قرآن کریم بھی اس آیت سے اسی مسئلہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

"یاایھا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبأٍ فتبینوا"

اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی باتوں پر نظر التفات بھی نہیں کیا جائے جو "کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ماسمع" کے حقیقی مصداق ہیں اور کسی تحقیق و جستجو کی انکو کوئی فکر نہیں نیز اس امر کی بھی وضاحت ضروری ہے کہ اگر صاحب معاملہ موجود نہ ہو تو اس میں توقف لازم ہے ابن عباس یہی طریقہ اختیار کر رہے ہیں۔

سوال ۱۲:۔ عن قرظة بن کعب رضؓ قَالَ بَعَثَنَا عُمَرُ رضؓ اِلَى الكُوفَةِ وَشَيَّعَنَا فَمَشَى مَعَنَا اِلَى مَوضِعٍ يُقَالُ لَهُ صِرَارٌ فَقَالَ أَتَدرُونَ لِمَ مَشَيتُ مَعَكُم قَالَ قُلنَا لِحَقِّ صُحبَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَلِحَقِّ الاَنصَارِ قَالَ وَلٰكِنِّي مَشَيتُ مَعَكُم لِحَدِيثٍ أَرَدتُ أَن أُحَدِّثَكُم بِهٖ فَاَرَدتُ أَن تَحفَظُوهُ لِمَمشَايَ مَعَكُم إِنَّكُم تَقدَمُونَ عَلَى قَومٍ لِلقُرآنِ فِي صُدُورِهِم هَزِيزٌ كَهَزِيزِ المِرجَلِ فَاِذَا رَأَوكُم مَدُّوا اِلَيكُم أَعنَاقَهُم وَقَالُوا أَصحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ فَاَقِلُّوا الرِّوَايَةَ عَن رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَنَا شَرِيكُكُم۔

(الف)۔ اعراب لگاکر ترجمہ کرنے کے بعد بتائیں کہ کثرت روایت اچھی ہے یا قلت روایت نیز خلفاء راشدین قلیل الروایہ تھے یا کثیر الروایہ؟

(ب) خط کشیدہ الفاظ کی ایسی تشریح کیجئے جس سے مراد متکلم واضح ہو جائے نیز ترجمۃ الباب باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللہ ﷺ سے حدیث باب کی مناسبت بیان کیجئے۔

(ج)۔ علم کی تبلیغ اور اس کی اشاعت ضروری ہے اور کتمان علم ناجائز ہے تو پھر حضرت عمر رضؓ نے تقلیل حدیث کا حکم کیوں دیا۔ مصنف کے ترجمۃ الباب سے کیا توجیہ معلوم ہوتی ہے؟

جواب سوال ۱۲:۔ (الف)۔ اعراب کیلئے درج بالا روایت ملاحظہ کیجئے۔

حضرت قرظہ بن کعب روایت کرتے ہیں کہ ہم کو عمر بن خطاب رضؓ نے (ایک مرتبہ) کوفہ بھیجا (جب ہم کوفہ کیلئے روانہ ہوئے) تو عمر رضؓ مقام صرار تک ہمیں رخصت کرنے آئے پھر (یہاں پہونچ کر) فرمایا تم جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیوں آیا ہوں، ابن کعب کہتے ہیں کہ ہم نے (ان سے) کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور انصار کے حق کی وجہ سے (غالباً آپ یہاں تک ہمیں چھوڑنے آئے ہیں) حضرت عمر نے کہا (ہاں یہ وجہ بھی ہے) لیکن (اس وقت دراصل) ایک (اور اہم بات کی بناء پر میں تمہارے ساتھ (یہاں تک) آیا ہوں جس کو (اب) میں تم سے

بیان کرنا چاہتا ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ تم میرے اپنے ساتھ چل آنے کی وجہ سے (اس بات کو) یاد رکھوگے (تو سنو) عنقریب تم ایسی قوم کے پاس پہونچوگے جن کے دلوں میں قرآن (حاصل کرنے کیلئے (کھولتی) ہانڈی کی آواز کی مانند جوش اور ولولہ ہوگا جب وہ تمہیں دیکھیں گے تو (فرط محبت (عقیدت سے) تمہاری جانب گردنیں بڑھائیں گے اور (خوشی سے بے قابو ہوکر) کہیں گے محمد صلعم کے صحابہ (محمد صلعم کے صحابہ) تو (اس وقت میری یہ نصیحت یاد رہے کہ ان سے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کم (سے کم) بیان کرنا (قلت روایت کے سلسلے میں) میں تمہارا (برابر کا) شریک ہوں۔

جہاں تک اس بات کا سوال ہے کہ قلتِ روایت وکثرتِ روایت میں کون سی زیادہ بہتر اور لائق عمل ہے تو یہ ایک مشکل مسئلہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں ایک دم فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اسلئے اگر قلتِ روایت کو راجح اور بہتر قرار دیا جائے تو مکثرین صحابہ کے رویہ کی کیا تاویل کی جائے گی اور اگر کثرتِ روایت پر ترجیح کا اطلاق کیا جائے تو صحابہ کی اکثریت کے رویہ کی کیا توجیہ ہوگی جو قلت روایت پر سختی سے عمل پیرا ہے اور جس میں بڑے بڑے جلیل القدر بدری واحدی صحابہ بھی شامل ہیں۔

اسلئے صحیح بات یہی کہ قلت وکثرت کا راجح مرجوح افضل اور مفضول ہونا راوی کے اپنے اپنے حالات وکیفیات مصلحت وحکمت اور زمانے کے تقاضوں پر موقوف ہے اگر راوی اپنے دل و دماغ قوتِ حفظ وضبط پر پختہ اعتماد اور بھروسہ کرسکتا ہے اور وہ بغیر کسی تردد وتذبذب کے یقین کیساتھ تحدیث روایت پر تیار رہے نیز زمانہ کے حالات بھی اشاعت علم واظہار احادیث کا تقاضا کررہے ہیں تو اس کے حق میں کثرتِ روایت ہی بہتر راجح اور افضل ہوگی تاکہ امتِ محمدی انوار رسالت وبرکات نبوت سے منور ومعطر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوارِ نبوت سے بھرپور نیز معانی خیز کلام سے فیضیاب ہوسکے اور ان تعلیمات کو اپنے زندگیوں میں اتارے حضرات صحابہ کی ایک جماعت نے انھیں احساسات وجذبات کے پیش نظر "ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدی" نیز حدیث "من سئل عن علم یعلمه قالجمه الجم یوم القیامة بلجام من النار" اور اس جیسی دیگر وعیدوں سے ڈر کر کثرتِ روایت ہی کو افضل اور راجح سمجھ کر اختیار کیا اور "بلغوا عنی" نیز "الا فلیبلغ الشاھد الغائب" کی عائد کردہ ذمہ داری شاندار طریقہ پر انجام دے کر احادیث کا بیش بہا ذخیرہ درج ذیل حضرات صحابہ نے بے کم وکاست ملت کے سپرد کردیا۔

اسماء گرامی حضرات صحابہ رض تعداد روایت

حضرت ابوہریرہ رضؓ	۵۰۰۰
حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ	۲۶۶۰
حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ	۲۲۱۰
حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ	۱۶۳۰
حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ	۱۵۶۰
حضرت انس بن مالک رضؓ	۱۲۸۶
حضرت ابوسعید خدری رضؓ	۱۱۷۰

ذرا سوچئے تو سہی اگر یہ مکثرین صحابہ اور شمع محمدی کے پروانے قلت روایت پر عمل کرتے اور نور ہدایت و معرفت سے لبریز ذخیرہ حدیث کو اپنے ساتھ لیکر برزخ منتقل ہوجاتے تو امت مرحومہ اور دعوئی دنیا کا کیسا ناقابل تلافی نقصان ہوتا اور وہ ہزاروں احادیث کے بیش بہا تحفہ سے ہمیشہ کیلئے محروم ہوجاتی۔ لیکن اگر راوی کو اپنے قوت حفظ پر بھروسہ اور اعتماد تو ہے لیکن غلطی اور سہو و زلت کا امکان بھی دامن گیر ہے اور زمانے کی رعلمی غفلت اور نت نئے فتنے تحدیث روایت کی اجازت نہیں دیتے تو اس کے حق میں قلت روایت ہی بہتر، راجح اور افضل ہے۔

حضرات صحابہ باوجود اس بات کے کہ حفظ و ضبط کے پہاڑ تھے اور وہ اپنے نہیں اپنے اعزہ اقرباء اور دیگر قبائل کے نہیں بلکہ اونٹوں اور گھوڑوں تک کہ کئی کئی پشتوں کے نسب نامے با آسانی یاد رکھتے تھے اور دنیا اس پر متفق ہے کہ عربوں کی طرح سینوں اور دماغوں کی اتنی مضبوط اور کشادہ قوم آج تک روئے زمین پر پیدا نہ ہوسکی لیکن اتنی عظیم یادداشتیں ہونے کے باوجود صحابہ کی ایک زبردست اکثریت قلتِ روایت پر عامل رہی ہے اور علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ کے بقول انھوں نے صرف وہی احادیث روایت کی ہیں جو انھیں بے حد متحقق تھیں یا ان کی ضرورت شدیدہ ہی آپڑی تھی یا پھر جن امور کی تبلیغ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں وصیت کی تھی اور ان روایت کی تحدیث میں بھی ان کی حالت اتنی غیر ہوگئی کہ آنکھیں ڈبڈبا گئیں رگیں پھول گئیں بدن تھرا گیا کہ کہیں "من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار" "من یقل علی مالم اقل" جیسی خطرناک وعیدوں کے ہم مصداق نہ بن جائیں اور زندگی بھر کی محنتوں پر پانی نہ پھر جائے۔

یہی وجہ ہے کہ خلفاء راشدین جنھوں نے ایک طویل مدت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ میں گزاری ہے اور جو فی نفسہ اکثر الروایہ ہیں لیکن اسی غایت احتیاط اور تقوئی کی بناء پر انھوں نے

احادیث کو بہت کم اور بے پناہ ضرورت کے موقع پر ہی بیان کیا ہے اسی لئے ان کا شمار علم حدیث میں قلیل الروایہ صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔
اس تشریح کے بعد یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ قلت روایت کو کثرتِ روایت پر یک گونہ فوقیت و فضیلت حاصل ہے کیونکہ یا کم از کم کثرۃ الحدیث عنی کے پیش نظر اکثر صحابہ کا وہی طرز عمل ہے اور قلت میں کثرت کے مقابلہ میں خطاء سہو زلت اور وعید کا مصداق بننے کا امکان بھی بہت کم ہے۔

(ب)۔ مدوا الیکم اعناقهم
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کا منشا یہ ہے کہ وہ قوم نئی نئی اسلام میں داخل ہوئی ہے اور اس وقت اسی پر اسلام اور پیغمبر اسلام کی محبت و مودت اور آپکی عظمت رفعت اور عشق نبوی کا ایک فطری اور پر کیف نشہ سوار ہے وہ ہر اس چیز کی طالب متمنی اور حاصل کرنے کی آرزومند ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اور آپکی جانب منسوب ہو تو جب وہ تمہیں دیکھیں گے تو تمہاری صحابیت اور بزرگی کی بناء اور زیادہ جوش و خروش اور اسلامی ولولہ ان کے اندر پیدا ہوگا اور وہ تمہاری زیارت کیلئے دیوانہ وار تم پر ٹوٹ پڑیں گے اور تمہاری ہر بات کو تجسس و رغبت سے سنیں گے کیوں کہ انھیں عہد رسالت کا دور تو ملا نہیں اسلئے اس دور کے تمام صحابہ کرام ہی کو وہ سب کچھ سمجھیں گے اور تمہاری صحبت مبارکہ کو ایک نعمت عظمیٰ اور امتیازی شان تصور کریں گے۔

فاقلوا الروایة
تو ایسے وقت تم میری یہ نصیحت یاد رکھنا کہ اس کے اس جوش و ولولہ کو دیکھ کر کثرتِ روایت کا شکار نہ ہونا اور بے دھڑک روایات کی تحدیث نہ کرنا قلت روایت کے اس حکم سے حضرت عمر رض کے پیش نظر تین مقاصد ہیں۔
ایک تو یہ کہ اس قوم میں پیغمبر اسلام اور احادیث شریفہ کی محبت اور دینی جوش و خروش بہت زیادہ ہے تو اگر تم کثرت تحدیث سے کام لوگے تو ان کے نزدیک احادیث شریفہ کی کثرت و بہتات کی صورت میں اس کی اہمیت و درجہ میں کمی واقع ہوگی اور حدیث جیسی قیمتی اور نایاب چیز ایک عام شئی بن جائے گی کیوں کہ ایک چیز کی جب بہتات و کثرت ہوتی ہے تو قدرتی طور پر انسانوں کی نظروں میں اس کی قدر و منزلت میں کمی واقع ہو جاتی ہے تو اسلئے تم کثرت تحدیث سے اس قوم کے نزدیک احادیث کی اہمیت میں کمی اور اس کی محبت اسلام میں کوتاہی کا سبب نہ بن جانا۔
دوسرا مقصد یہ ہے کہ وہ ابھی علوم قرآن اور اس کی تحصیل میں منہمک ہے اور اسی کیلئے میں بھی یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ وہ فی الحال قرآن ہی کی جانب متوجہ رہے تاکہ اپنے پروردگار کے

پیغام اور اس کے عائد کردہ فرائض سے واقف ہوسکے تو اگر تم ایسے وقت میں پیغمبر علیہ السلام کی احادیث شریفہ اس سے بیان کرنے لگو گے تو وہ ان احادیث ہی کی جانب جھک پڑے گی اور قرآن کو پس پشت ڈال دے گی اور یہ کثرت روایت قرآن سے اس کی غفلت کا سبب بن جائے گی اسلئے بس ایسے مقامات پر ہی احادیث سُنانا جہاں قرآن کے مشکل مقام کی وضاحت کی ضرورت پیش آجائے تاکہ قرآن کے سلسلے میں اس کا جوش و ولولہ قائم رہے۔

حضرت عمر رضہ کے پیش نظر تیسرا مقصد یہ ہے کہ وہ قوم ابھی حال ہی میں ایمان لائی ہے اور ابھی اس کی مکمل تربیت بھی نہیں ہوسکی ہے اسلئے وہ اسلام کے اصول و مبادیات اور مزاج شریعت سے ناواقف ہے تو ممکن ہے کہ تمہاری کثرت تحدیث اسے ہضم نہ ہوسکے اور وہ احادیث کے معنی کچھ سے کچھ سمجھ کر فتنہ و آزمائش میں مبتلا ہو جائے تو وہاں تم کثرت تحدیث سے گریز کرنا اور اگر بوقت ضرورت احادیث سناؤ تو ایسی احادیث سُنانا جو واضح اور معلوم السبب ہونے کے ساتھ ساتھ محکم ہوں متشابہات میں سے نہ ہوں اور جن کے معنی مراد لینے میں کسی قسم کی کوئی خاص محنت شاقہ اور دماغ سے کام لینا نہ پڑتا ہو۔

ہماری اس تشریح کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمہ نے بیہقی کے حوالہ سے "فاقلوا الروایۃ" کے بجائے "فاصحوا الروایۃ" کے الفاظ نقل کئے ہیں جو اس مقصد پر صریح دلالت کر رہے ہیں۔

حضرت عمر رضہ کے مذکورہ مقاصد میں حضرت کے ذوق اور مزاج کے پیش نظر مؤخر الذکر دو مقاصد زیادہ راجح ہیں۔

ثم انا شریککم

کیونکہ میرا طریقہ قلت روایت ہی ہے اور میں فی الحال اسی کو تمہارے اور اس قوم کے حق میں بہتر سمجھتے ہوئے اس کی تلقین و تاکید کر رہا ہوں تو اگر تم نے میری نصیحت پر عمل کیا اور قلت روایت کو فی الحال کثرت روایت پر فوقیت دی تو تم نے گویا میری اتباع کی اور قلت روایت میں ہم اور تم برابر کے شریک ہوئے۔

حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے اس روایت کو "باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم" کے تحت اسی لئے ذکر کیا ہے کہ اس میں تحدیث کے بارے میں احتیاط و اہتمام کی تلقین ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جملہ "فاقلوا الروایۃ" ہی ترجمۃ الباب ہے۔

(ج) ـ علم کی اشاعت و تبلیغ یقیناً ضروری اور کتمان علم واقعی ناجائز ہے لیکن دینی اور شرعی مصلحت و حکمت کی بنا پر محتاط رویہ اپنانا کتمان کے زمرہ میں نہیں آتا امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ تے یہ

صراحت کی ہے کہ کتمان علم جب ہی ہوگا جب کہ سائل اسلام ارکان اسلام یا نماز کی ادائیگی کے طریقہ کی بابت دریافت کرے یا کسی چیز کے حرام و حلال، مکروہ اور مباح ہونے کے بارے میں استفسار کرے تو جواب نہ دینے کی صورت میں عالم دین اس وعید شدید کا مصداق ہوگا۔

امام سید رحمۃ اللہ علیہ نے مزید کہا کہ یہ کتمانِ علم کی وعیدیں علم ضروری اور اس علم سے متعلق ہیں جن کی عوام کو روزمرہ کی زندگی میں ضرورت پڑتی ہے رہا وہ علم جو عوام کیلئے غیر ضروری اور ان کی ذہنی سطح سے بہت بلند ہے تو اس کے کتمان کے بارے میں یہ وعیدیں نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی غیر ضروری علم سے متعلق روایات کی تحدیث سے اجتناب کرنے کی وصیت کی ہے اسلئے ان کے رویہ پر کوئی اشکال نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ صحابۂ کرام کی جماعت علوم نبوی کی اشاعت اور تبلیغ اسلام ہی کیلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ روانہ فرما رہے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ اصل مقصد و غرض و غایت ہی کو چھپانے کی تلقین کرنے لگیں اصل بات یہ ہے کہ یہاں آپ علوم نبوی کی اشاعت پر ابھارنے اور تبلیغی فریضہ انجام دینے کا جذبہ پیدا کرنے کیساتھ ایک احتیاطی پہلو کی جانب توجہ دلا رہے ہیں وہ یہ کہ تم مسائل ضروریہ اور دین سے لوگوں کو خوب واقف کرانا اور سائلین کے سوالوں کا اطمینان بخش جواب دینا لیکن اپنی اس گفتگو کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب نہ کرنا اگرچہ فی نفسہ وہ احادیث کے متون ہی کیوں نہ ہوں لیکن ہاں بوقت ضرورتِ شدیدہ منسوب کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اسی میں خیر و عافیت ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ کتمان علم جب لازم آتا جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تحدیث روایت اور بیانِ مسائل سے صراحتاً بالکلیہ روک دیتے اور کسی قسم کے علوم و مسائل کی تشہیر کی اجازت نہیں دیتے جب کہ روایت میں صرف قلتِ روایت کا تذکرہ ہے وہ بعض مصالح کے پیش نظر احتیاط پر مبنی ہے اور احتیاط اور کتمان کا کوئی تعلق نہیں۔

حضرت مصنف علیہ الرحمہ کے ترجمۃ الباب سے یہ توجیہ معلوم ہوتی ہے کہ قلت روایت احتیاط اور تقویٰ کے زمرہ میں آئے گی اس پر کتمانِ علم کا اطلاق نہیں ہوگا اور توقی فی الحدیث نیز احتیاط کا بھی تقاضہ ہے کہ کثرتِ روایت سے اجتناب کیا جائے کیونکہ کثرت ہی خطا ہے۔

سوال ۱۳:۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

(الف) حدیث بالا پر اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے اہل سنت کے نزدیک کذب کی تعریف نقل کرنے کے بعد معتزلہ کی رائے بھی قلمبند کیجئے۔

(ب)۔ کذب فی الحدیث پر مختصر گرشافی کلام کیجئے اور اس سلسلے میں اہل سنت کا مسلک تحریر فرمائیے۔
(ج)۔ ترغیب و ترہیب کے طور پر جن لوگوں نے کذب فی الحدیث کو جائز کہا ہے ان کی نشاندہی کیجئے، اور ان کے مذہب کا تعاقب کیجئے۔
(د)۔ اگر کسی کے بارے میں کذب فی الحدیث ثابت ہو جائے تو اس کا اور اس کی روایتوں کا کیا حکم ہے؟ مع اختلاف علماء لکھیئے۔

جواب سوال ۱۲:- (الف)۔ اعراب کیلئے ص۲۱ کی حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جان بوجھ کر میرے بارےمیں جھوٹ بولے (اور کسی قول و فعل و صفت کو میری جانب سے غلط منسوب کرے) تو وہ (اس بدترین جرم کی پاداش میں) اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔
اہل سنّت کی تعریف بیان کرتے ہوئے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری فرماتے ہیں:-

"اہل سنت کے نزدیک کذب (جھوٹ) خلاف واقعہ بات بیان کرنے کو کہتے ہیں خواہ عمداً ہو یا سہواً مگر چونکہ بھول چوک میں گناہ نہیں ہوتا اسلئے حدیث میں "متعمدا" کی قید بڑھائی گئی ہے" والکذب الاخبار عن الشیء علیٰ غیر ماھو علیه وان لم یتعمد لکن التعمد شرط الاثم"
(فیض القدیر جلد پنجم ص۲)

اس کے برخلاف معتزلہ کذب کی تعریف کو عمداً و متعمداً سے مقید کرنے پر مصر ہیں تو ان کے نزدیک تعریف کذب یہ ہوگی "واقعہ کے خلاف جان بوجھ کر غلط خبر دینا" اس صورت میں "متعمدا" کی قید اتفاقی نہیں بلکہ احترازی ہوگی۔
(ب)۔ امم سابقہ کے حالات کا مطالعہ کرنے اور ان کی تاریخ پر غور و فکر کرتے نیز ان کے مزاج پر تحقیق کرنے سے یہ بات روز روشن کی طرح ہو جاتی ہے کہ ان کی روحانی مفلسی اخلاقی تباہی و بربادی اور علمی طور پر دیوالیہ ہونے میں جہاں ان کی غفلت و مدہوشی ذہانت و ذکاوت سے محرومی اور نفس پرستی نے اہم کردار ادا کیا ہے وہیں بدعات و خرافات انبیاء سے منسوب ترغیبی و ترہیبی جھوٹ نے بھی ان کی شریعت و دین پر جہالت و ضلالت کے دبیز پردے ڈال دیئے ہیں اور اسی کی وجہ سے ضلالت و سرکشی کے گڑھوں کی جانب ان کے بڑھتے قدم مزید ہو گئے اور وہ بالآخر دنیا کے پردے سے ہٹا دی گئیں۔
عہد اولین سے عہد اسلام تک جو قومیں بھی ہمیں گمنامیوں تاریک وادیوں اور ضلالت و سفاہت

کے گڑھوں کی جانب تیز تیز قدموں سے بھاگتی نظر آتی ہیں ان سب میں قدرے مشترک اور مجموعی طور پر یہی زہریلا عنصر سرایت کئے ہوئے ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آسمانی شریعت اور الہامی دین میں ترغیبا و ترہیبا جھوٹ کا بالکلیہ انسداد نہ کیا جائے تو نئی نئی بدعات اور احداث فی الدین کو ممنوع قرار نہ دیا جائے اور چند عقل سے فارغ انسانوں کے خیال میں ترغیب و ترہیب کے باب میں جھوٹ کی کھلی بند و اجازت دیدی جائے تو کذب فی الحدیث کا دائرہ مختلف زمانوں اور مختلف حالات میں اس طرح پھیلتا جائے گا کہ وہ خود ایک دین اور مذہب کی شکل اختیار کرے گا اور وہ جہاں شریعت الہامی کی تحریف کا اچھا خاصا سامان فراہم کرے گا وہیں اس کے گرد و غبار سے اصل دین نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گا۔

نیز ہر شخص نے حکمت و مصالح کے پیش نظر اپنی ناقص اور شریعت سے نا آشنا خرد و عقل سے حدیثیں گڑھنی شروع کر دیں اور جیسے جیسے حالات و تقاضے بدلتے رہے ایسی ہی یہ نام نہاد واعظ اپنی زبان و قلم میں تبدیلی پیدا کرتے رہے تو جلد ہی وہ وقت آئے گا کہ یہ دین متضاد نظریات متصادم تخیلات اور افسانوں نیز جھوٹی کہانیوں کا ایک پلندہ بن کر رہ جائے گا اور اس کو مکمل نظام قرار دینے نیز دائمی دین ہونے کے دعوے سے بھی دستبردار ہونا پڑے گا ——— یہی وجہ ہے کہ اہل سنت والجماعت نے مذکورہ مذہب کی پر زور تردید کی اور ترغیبی و ترہیبی جھوٹ کو قطعاً حرام اور اکبر کبائر قرار دیا کیونکہ اس رائے سے جہاں اسلام کی حفاظت خطرے میں پڑتی ہے وہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان خارت بھی متاثر ہوتی ہے۔

اب درج بالا مضمون کو مندرجہ ذیل دلائل سے مدلل کئے۔

- یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین۔

یہاں مطلقاً کذب بیانی سے احتراز اور صدق بیانی کی ترغیب دی گئی جس کی رو سے دین و شریعت میں کذب بیانی مطلقاً حرام ہے۔

- من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔
- من یقل علیّ مالم اقل فلیتبوأ مقعدہ من النار۔
- الصدق ینجی والکذب یھلک۔

(ج)۔ ترغیب و ترہیب کے طور پر کذب فی الحدیث امت کے دو گمراہ فریقین روافض و کرامیہ کے نزدیک نہ صرف جائز بلکہ بضرورت وقت ایک مستحب امر ہے۔

شراح حدیث کا خیال ہے کہ حدیث میں وارد ہوئے لفظ "علیّ" سے ان فرقوں کو وہم اور

بھوکہ ہوا ہے اور انھوں نے لفظ "علی" کو نقصان اضرار اور عداوت کے معنی میں متعین سمجھ کر ترغیب وترہیب کے تمام ابواب میں وضع حدیث کا فتویٰ دیدیا لیکن حقیقت یہ ہیکہ "علی" کو اضرار کیلئے متعین سمجھنا ان کی بدباطنی موروثی خباثت اور دینی فراست وفقاہت سے محرومی کا نتیجہ ہے لہٰذا انھوں نے اسی پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھتے ہوئے کہا کہ لفظ "علی" سے اسی کذب کی ممانعت وحرمت ثابت ہوگی جو دین کیلئے مضرت ونقصان کا باعث ہو اور ترہیبی وترغیبی طور پر کذب اسلئے مستحسن ہے کیوں کہ اس کا مقصد انسانوں کو دنیا دھمکا کر اور فضائل بیان کرکے دین سے قریب کرنا ہے لہٰذا ایسی تمام حدیثیں "کذب علی" کے نہیں بلکہ "کذب لہ" کے زمرہ میں آئیں گی۔

ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حدیث "من کذب علی متعمدًا" کے بعض طرق میں "لیضل به الناس" کا قرینہ موجود ہے لہٰذا ایسی تمام موضوع احادیث اس وعید کے زمرہ میں نہیں آئیں گی جن کا مقصد "لیهدی به الناس" اور ترغیب اسلام ہے۔

حضرت مولانا مفتی سعید صاحب پالنپوری دلیل اوّل کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"اگر ان لوگوں کی یہ دلیل تسلیم کرلی جائے تو پھر تمام بدعات دین ہوجائینگی کیونکہ بدعتین دین کو نقصان پہنچانے کیلئے بدعات ایجاد نہیں کرتے بلکہ اپنے زعم میں وہ ان بدعات کے ذریعہ دین کی تکمیل کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر غلط انتساب کذب علیہ کا مصداق ہے اولاً اس طرح جب وضع کا سلسلہ شروع ہوگا تو اس پر کوئی پابندی نہیں لگ سکے گی احکام میں بھی حدیثیں وضع کی جائیں گی بلکہ کی گئی ہیں ثانیاً ہر وضع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام قائم کرے گا کہ آپ نے دین کی تمام باتیں نہیں بتائیں کچھ رہ گئی تھیں جسے یہ واضعین مکمل کر رہے ہیں۔ العیاذ باللہ۔"

اور جہاں تک "علی" کے معنی کا سوال ہے تو حقیقت یہ ہیکہ قرآن وحدیث اور لغات عرب میں سیکڑوں جگہ منفعت ومحبت کے معنی میں مستعمل ہے چند مثالیں درج ذیل ہیں :۔

۱۔ انّ اللّٰہ وملئکته یصلون علی النبی یا ایها الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیمًا۔ (قرآن)

۲۔ من صلی علی صلوٰۃ واحدۃ صلی اللّٰہ علیه عشرا (مسلم، ابو داؤد، نسائی، ترمذی)

۳۔ اللّٰھم صلی علی محمد وعلی آل محمد الخ :۔

۴۔ السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ علیه۔

اور جہاں تک ان کی دوسری دلیل کا تعلق ہے تو حقیقت یہ ہیکہ یہ نہایت کمزور اور کچی دلیل ہے جس سے زبردستی استدلال کرنے کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ تمام محدثین اور علماء حق نے اس کی بزور تردید کی ہے اور اسی ٹکڑے کے بطلان پر تمام اہل علم و دانش حضرات کا اتفاق رہاہے (امام نووی) مسلک حنفی کے بیرسٹر اور مشہور محدث امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ جملہ ثابت بھی ہوجائے تو یہ کذب کی علت نہیں بلکہ تاکید اور نتیجہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جس قسم کے کذب کا بھی انتساب کیا جائے گا اس کا لازمی و حتمی نتیجہ ایمان سے محرومی اور ضلالت و گمراہی ہوگا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "لیضل" میں لام علت کا نہیں بلکہ عاقبت کا ہے جیساکہ باری تعالیٰ کا قول" فمن اظلم ممن افتری علی اللہ کذباً لیضل الناس"۔

اسی کے ذیل میں جواب کی شق (ب) کا بھی استحضار کرلیں۔

(د)۔ کسی کے بارےمیں اگر کذب فی الحدیث ثابت ہوجائے تو اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں ذیل میں انھیں نقل کیا جاتا ہے:۔

(۱)۔ امام احمد بن حنبل، امام حمیدی، ابوبکر صیرفی اور جمہور کے نزدیک واضع حدیث کافر تو نہیں لیکن اعلیٰ درجہ کا فاسق قرار دیا جائے گا اور توبہ کرنے کے باوجود بھی اس کی روایتیں ناقابلِ اعتبار اور مردود ہی رہیں گی چاہے وہ روایتیں فی نفسہٖ صحیح ہوں۔

(۲)۔ شیخ ابو محمد جوینی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کاذب فی الحدیث کافر اور مرتد ہے لہٰذا اس سنگین جرم کی پاداش میں اس کا سر قلم کردیا جائے امام ناصر الدین بن المنیر اور ان کے چھوٹے بھائی زین الدین بن المنیر کی بھی یہی رائے ہے اور انھوں نے اس رائے کو مزید تقویت پہنچائی ہے لہٰذا ان متشدد حضرات کے نزدیک اس کی روایتوں کو قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۳)۔ بعض محدثین کا مسلک یہ ہے کہ ایسا شخص فاسق ہے کافر نہیں ہے اگر یہ توبہ کرے اور دل میں پشیماں ہوکر آئندہ کذب میں ملوث نہ ہونے کا عزم مصمم کرے تو اس کی صحیح روایتیں قابل قبول ہوں گی۔

علامہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ دو مسلکوں پر نقد کرتے ہوئے اور آخری مذہب کو مدلل و مؤید کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تمام علماء کے نزدیک کافر کی شہادت بعد الاسلام بالاتفاق قابل قبول ہے تو روایت بعد التوبہ کیوں مقبول نہیں جب کہ دونوں حافظے کی مدد سے انجام دی جاتی ہیں اور کفر بہرحال کذب سے زیادہ بڑا جرم ہے لہٰذا صحیح یہی ہے کہ بعد التوبہ روایات مقبول ہوں گی اور حدیث" التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ" بھی اسی کی

متقاضی ہے لیکن علامہ نووی کا بیان کردہ مسلک جمہور کے خلاف ہے۔

سوال ۱۴: عن علی رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من حدَّثَ عَنِّیْ حدیثاً وھُوَ یَرٰی اَنَّہٗ کَذِبٌ فھُوَ اَحَدُ الکَاذِبِیْنَ۔

(الف)۔ اعراب لگا کر حدیث کی تشریح کیجئے۔

(ب)۔ "کاذبین" کو اگر تثنیہ کی صورت میں پڑھا جائے تو کون دو کاذب مراد ہوں گے؟

(ج)۔ نیز یہ بتایئے کہ "یری" کو معروف اور مجہول پڑھنے میں کیا کیا معنی مراد ہوں گے؟

جواب سوال ۱۴: (الف)۔ اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص میری جانب سے کوئی ایسی حدیث (قولی، فعلی، تقریری، وصفی) بیان کرے جس کے متعلق اس کا گمان یہ ہو کہ وہ جھوٹ ہے تو وہ (ناقل) بھی (واضعین حدیث کی طرح) جھوٹوں میں کا ایک جھوٹا ہے۔

(ب)۔ تثنیہ کا معنی بیان کرتے ہوئے استاذ محترم مولانا سعید صاحب پالنپوری فرماتے ہیں:

"اور تثنیہ کی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ وہ دو جھوٹوں میں کا ایک ہے۔
پہلا وہ شخص ہے جس نے یہ حدیث بنائی ہے اور دوسرا وہ راوی ہے
جو اس جھوٹ کو پھیلا رہا ہے یعنی ان الکاذب الاول ھو البادی بھذا
الکذب وھذا الراوی ھو ثانیھما"[۱]

(ج)۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر "یُریٰ" کو مجہول پڑھا جائے تو وہ "یظن" کے معنی کے ساتھ متضمن ہوگا یعنی ظن غالب کے طور پر وہ روایت کو جھوٹ سمجھتا ہے۔

اس کے برخلاف "یَریٰ" کو معروف پڑھنے کی صورت میں "یعلم" کے معنی مراد لئے جائیں گے یعنی یقین کے ساتھ روایت کا جھوٹ ہونا اس پر عیاں ہے[۲]

سوال ۱۵: عَنِ العِرْبَاضِ بن سَارِیَۃَ یَقُوْلُ وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ موعِظَۃً ذَرَفَتْ مِنْھَا العُیُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْھَا القُلُوْبُ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللہِ

---

[۱] دیکھئے فیض المنعم شرح مقدمہ مسلم ص ۶۱-۶۲ [۲] اس حدیث کی مزید تشریح کیلئے دیکھئے ابن ماجہ شریف ص۵ حاشیہ ۶، تنظیم الاشتات جلد اول ص۳۱، شرح السنہ جلد اول ص۲۶۶، مسلم اول ص۷، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ جلد اول ص۲۱۹، الکوکب الدری للشیخ الگنگوہی جلد ثانی ص۱۳۰، ترمذی شریف جلد ثانی ص۹۱ مطبوعہ مکتبہ رحیمیہ دیوبند، تحفۃ الاحوذی جلد سوم ص۳۷۳، التعلیق الصبیح للشیخ الکاندھلوی جلد اول ص۱۴۔

اِنَّ هٰذِهٖ الْمَوْعِظَةَ مُوَدِّعٌ فَمَاذَا تَعْهَدُ اِلَيْنَا قَالَ قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا لَا يَزِيْغُ عَنْهَا بَعْدِيْ اِلَّا هَالِكٌ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِمَا عَرَفْتُمْ مِنْ سُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَعَلَيْكُمْ بِالطَّاعَةِ وَاِنْ عَبْدًا حَبْشِيًّا فَاِنَّمَا الْمُؤْمِنُ كَالْجَمَلِ الْاَنِفِ حَيْثُ مَا قِيْدَ اِنْقَادَ وَفِيْ طَرِيْقٍ آخَرَ وَاِيَّاكُمْ وَالْاُمُوْرَ الْمُحْدَثَاتِ فَاِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ"

(الف) ۔اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کرنے کے بعد خط کشیدہ الفاظ کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے "لیلها کنهارها" کی خصوصی وضاحت فرمائیے۔

(ب) ۔خلفاء سے مخصوص خلفاء مراد ہیں یا ان کا مفہوم لغوی مراد ہے اگر عام خلفاء مراد ہیں جو بھی ان اوصاف کے حامل ہوں تو ان کی سنت میں اہم فرق ہوگا یا دونوں طبقہ کی سنت کا یکساں حکم ہے؟

(ج) ۔بدعت کی ایسی تعریف نقل کیجئے جس پر "کل بدعة ضلالة" پورے طور پر صادق آئے تخصیص واستثناء کی ضرورت نہ پڑے۔

جواب سوال نمبر ۱۵ :- اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (ایسے مؤثر اور پرسوز انداز میں) خطاب فرمایا کہ ہماری آنکھیں بہنے لگیں اور دل دہل گئے تو ہم لوگوں نے (آپ سے) کہا کہ یا رسول اللہ یہ تقریر تو (اپنی پرسوز نصیحت ووصیت میں) رخصت کرنے والے کی سی تقریر ہے تو آپ (رخصت ووداع کے وقت) ہم سے کس چیز کا عہد لیتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو (ایک) روشن (اسلامی ودینی) ماحول میں چھوڑ رہا ہوں جس (دین کی رات) اس کے دن کی طرح روشن ہے (اس صاف وروشن شاہراہ سے اب) صرف ہلاک ہونے والا ہی بھٹکے گا (آپ نے مزید فرمایا کہ) تم میں میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ عنقریب زبردست اختلاف دیکھے گا تو ایسے خطرناک وقت میں سلامتی اسی میں ہے کہ) تم میری واضح سنتوں اور خلفاء راشدین کے طریقوں کو دانتوں سے پکڑ لینا اور (ساتھ ساتھ) امیر کی اطاعت ضرور کرتے رہنا۔ چاہے وہ (امیر) حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو (اطاعت امیر اس لئے ضروری ہے کہ) مومن نکیل والے اونٹ کی طرح ہے اس کو جس طرف ہانکا (اونٹ کی طرح) چل پڑتا ہے۔ محدثات سے بچنا کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

ذرف یذرف ذرفًا وذریفًا وذروفًا وذرفانًا (ض) آنسو بہانا۔

وجل یوجل وجلًا وموجلًا (س) ڈرنا گھبرانا قال اللہ تعالیٰ لا توجل انا نبشرک بغلام علیم۔

عض یعض عضاً و عضیضاً (س) قال اللہ تعالیٰ "ویوم یعض الظالم علیٰ یدیہ"۔

نواجذ ناجذ کی جمع معنی ڈاڑھ۔

لبِ لبابِ کلام

عہد اولین سے عہدِ رسالت تک جتنے انبیاء و رسل اس دنیا میں تشریف لائے وہ سب قصرِ نبوت و رسالت کی متعدد تدریجی صورتیں تھیں جو مختلف زمانوں اور مختلف حالات میں فطرت انسان کی رعایت کرتے ہوئے احکام الٰہی و تعلیم نبوی کی تبلیغ کرتے رہے اور ان کی پیہم جدوجہد، ان کی مساعیٔ حسنہ اور ان کی تحریک دعوت و ارشاد ان کے قبیلے یا ان کی دوسری مخاطب جماعت تک محدود رہی، تمام نسل انسانیت کی جانب مبعوث ہوتے کا نہ انھوں نے دعویٰ ہی کیا اور نہ ہی ان کو اس کا مکلف بنایا گیا۔ اسی بنا بر ان کی شریعت کی حفاظت کی ایسی ضرورت سمجھی گئی اور نہ اس کی آئندہ نسلوں کی رعایت کرتے ہوئے توضیح و تشریح کی گئی۔

آنحضرت جب اس دنیا میں تشریف لائے تو آپ نے انبیاء سابقین کے اسی درجہ کی وضاحت اور اپنی شان خاتمیت اور ممتاز درجہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا "اُرسلتُ الی الناس کافۃ وکان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ" کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مخصوص قوم کسی محدود قبیلے اور کسی ممتاز خاندان کی جانب نہیں بلکہ نسل انسانیت کی اس پوری جماعت کی جانب مبعوث کئے گئے ہیں جو قیامت تک روئے زمین پر جنم لے گی اس لئے ضروری تھا کہ قیامت تک کیلئے آپ کی شریعت کو اتنا محفوظ اتنا جامع مکمل اور متنوع نیز اتنا شرح کر دیا جائے اور اس کی ہر ہر شق ہر ہر پہلو اور پیغام الٰہی کے تمام گوشوں پر بھرپور روشنی ڈالی جائے اور آپ کے اسوہ حسنہ سے پیغام الٰہی کی ایسی تفسیر کر دی جائے کہ پھر اس میں کسی قسم کا خفاء نیز ابہام و احتمال کا شائبہ تک باقی نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اصول و مبادیات، تشریعی رموز و اشارات اور نبوی علوم و معارف کی ایسی وضاحت کر دی کہ جس کی فطرت میں صلح و سعادت کا اگر معمولی سا عنصر بھی ہوگا تو وہ یقیناً اسے قبول کئے بغیر نہ رہ سکے گا اور اس صاف و شفاف واضح اور فطری دین سے صرف وہی اعراض کرے گا جس کے نوشتہ تقدیر میں ہی ہلاکت و بربادی لکھی جا چکی اور وہ ازل سے ہی شقی و نامراد ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ یہ دین عہدِ رسالت سے قیامت تک اسی طرح واضح اور روشن رہے گا اور اگر اس صاف و شفاف الہامی چشمہ میں کوئی آلودگی ڈالنا چاہے گا تو حدیث صحیح "لاتزال طائفۃ من امتی منصورین لایضرھم من خذلھم حتی تقوم الساعۃ" کا مصداق ایک جماعت کھڑی ہوگی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ کے مطابق "یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین و

انتحال المبطلین وتاویل الجاھلین،، کا زبردست اصلاحی مظاہرہ کرے گی اور تمام باطل افکار، بدعات وخرافات اور اوہام فاسدہ کا بالکلیہ انسداد کر دے گی تو اس طرح شریعت محمدی کے کسی پہلو پر قیامت تک بھی پردہ نہ ڈالا جا سکے گا اور یہ دین قیامت تک صاف و شفاف روشن اور زندہ و تابندہ رہے گا۔

(ب)۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی مراد کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"قیل ھم الخلفاء الاربعة ابوبکر وعمر وعثمان وعلیؓ لانه علیه السلام قال الخلافة بعدی ثلثون وقد انتھی بخلافة علی کرم الله وجھه"۔

مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحؒ فرماتے ہیں:۔

"قال التوربشتی رحمه الله تعالیٰ المعنون بھذا القول ھم الخلفاء الاربعة لانهؐ قال ... فی حدیث آخر الخلافة بعدی ثلثون سنة وقد انتھت الثلثون بخلافة علیؓ"

صاحب مفتاح الحاجہ شیخ محمد علوی رحؒ نے بھی یہی ترتیب بیان کی ہے اور انھیں چاروں خلفاء کو حدیث باب کا مصداق ٹھہرایا ہے جبکہ شیخ عبدالغنی مجددی رحؒ نے ان خلفاء میں حضرت حسنؓ کو بھی شمار کیا ہے اور علماء کی ایک اچھی خاصی جماعت کی بھی یہی رائے ہے کیونکہ "الخلافة بعدی ثلثون" کے تحت حضرت حسنؓ کی خلافت بھی آتی ہے اور ان کے زمانہ خلافت کو ملا کر ہی تیس ۳۰ سال پورے ہوتے ہیں لہٰذا صحیح یہی ہے کہ حدیث باب سے یہی خلفاء خمسہ مراد ہیں۔

لیکن اگر خلفاء کا عام اور لغوی مفہوم مراد لیا جائے تو مذکورہ حضرات کے علاوہ تمام حضرات اس کے مصداق ہوں گے جنھوں نے اپنی زندگیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور تعلیمات نبوی کے سانچے میں ڈھال لیا ہو اور آپ کی سیرت مبارکہ کے مختلف گوشوں پر مکمل طور سے عمل پیرا رہے ہوں جیسے حضرات فقہاء، محدثین ومجددین اور ائمہ عادلین وغیرہ۔ علماء کی ایک قلیل جماعت کا یہی مذہب ہے، اور حدیث رسول "لانبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون" سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔

لیکن ان حضرات کو حدیث کا مراد مان لینے کی صورت میں خلفاء راشدین اور ان حضرات کی سنت میں یکسانیت نہیں بلکہ باہم فرق مراتب ہوگا کیونکہ صحابہ کرام اہل سنت والجماعت کے نزدیک حجت اور دلیل قطعی ہیں اور "اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم" نیز "الصحابة کلھم عدول" کا خلفاء راشدین اعلیٰ ترین نمونہ ہیں اور اصول شریعت کے مطابق غیر قیاسی مسائل میں ان حضرات کے اقوال حدیث مرفوع کے حکم میں ہیں لہٰذا ان کے اجماعی عمل اور فیصلہ سے خروج جائز نہیں اور ان کی ہر ہر سنت کی اطاعت واتباع ضروری ہوگی کیونکہ

خلافت راشدہ اسلامی قانون سازی و دینی دستور کی ایک مستقل بنیاد ہے اور اس کے تحت آنے والے تمام مسائل منصوصہ وغیر منصوصہ اور اجتہادی اور استنباطی احکام بذاتِ خود دین کے اجزاء شمار ہوں گے کیوں کہ ان میں اکثر وہی چیزیں ہیں جو عہدِ رسالت میں منصوص و مکتوب تھیں لیکن ان کی ترویج و تشہیر نہ ہو سکی تھی لیکن ان حضرات خلفاء راشدین نے انھیں اپنے اجتہاد و قیاس سے معاشرہ پر نافذ فرمایا تو گویا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سنتیں ہوئیں یہ حضرات محض نافذین ہوئے۔

اس کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر مواقع پر ان حضرات کے ناموں کی صراحت کے ساتھ مسلمانوں کو ان کی اقتدار پر ابھارا ہے اور مختلف و متعدد مواقع پر ان کی توثیق و تعدیل کی ہے جیساکہ غزوۂ بدر کے اصحاب کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اعملوا ما شئتم قد غفرت لکم" (حدیث قدسی)

اسلئے ان حضرات خلفاء راشدین کی سنتوں کا مرتبہ نہایت بلند اعلیٰ اور قوی تر ہوگا اور ان سے کسی صورت میں خروج جائز نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف لغوی خلفاء کے بارے میں نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توثیق و تعدیل کی ایسی صراحت ہے کہ یہ حضرات بھی مخطی نہیں بلکہ مصیب ہی ہوں گے اور نہ ہی ان کا مقام و مرتبہ اتنا بلند و اعلیٰ اور نہ ہی انھیں شرف صحابیت حاصل ہے لہٰذا ان کی سنتوں کا وہ حکم و مرتبہ نہیں ہوگا اور ان کی وہی سنتیں قابل قبول اور قابل تقلید ہوں گی جو ماخذ شریعت کے مطابق ہونے کیساتھ ساتھ اقرب الی السنہ ہوں اور مزاج شریعت اسلامیہ کے بھی عین موافق ہوں اور ساتھ ساتھ ان میں خلوص للّٰہیت و نیک نیتی کا نور اور طریق محمدی واتباع نبوی کا تقدس بھی صاف جھلکتا ہو اسی اصول پر روشنی ڈالتے ہوئے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:۔

"اننا نعمل اولا بکتاب اللہ ثم بسنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم باحادیث ابی بکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم"[۱]

اس کے بعد امام صاحب صحابہ وغیر صحابہ کے فرق کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"ماجاء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعلی الراس والعین بابی وامی ولیس لنا مخالفته وماجاء عن اصحابه تخیرنا وماجاء عن غیرهم فهم رجال ونحن رجال"[۲]

ظاہر ہے کہ خلفاء اربعہ تو صحابہ کا دماغ ہیں لہٰذا ان کی سنت کی اتباع واجب ہے اور "فہم رجال ونحن رجال" کہہ کر امام صاحب اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ دوسرے حضرات کی سنتوں کا وہ حکم نہیں۔

محشی شرح السنہ بدعت کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:۔

لہ ماہنامہ چراغ راہ کراچی کا اسلامی قانون نمبر جلد دوم ص ۱۵ طبع ۱۹۵۸ء۔

"ما احدث علی غیر قیاس اصل من اصول الدین"[۵۱]

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ بدعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"کل شیئ عمل علی غیر مثال سبق وفی الشرع احداث مالم یکن فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"[۵۲]

ایک تیسری تعریف محققین علماء نے یہ فرمائی:۔

"المراد بالبدعة ما احدث من مالا اصل له فی الشریعة"

درج بالا بدعات کی تمام تعریفیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ماخوذ ہیں:۔

"من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد"[۵۳]

سوال ۱۶:۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رض کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَطَبَ اِحْمَرَّتْ عَیْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهُ وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ کَاَنَّهُ مُنْذِرُ جَیْشٍ یَقُوْلُ صَبَّحَکُمْ وَمَسَّاکُمْ وَیَقُوْلُ بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ کَهَاتَیْنِ وَیَقْرِنُ بَیْنَ اِصْبَعَیْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰی ثُمَّ یَقُوْلُ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَیْرَ الْاُمُوْرِ کِتَابُ اللّٰهِ وَخَیْرُ الْهَدْیِ هَدْیُ مُحَمَّدٍ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَکُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَکَانَ یَقُوْلُ مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِاَهْلِهِ وَمَنْ تَرَكَ دَیْنًا اَوْ ضَیَاعًا فَعَلَیَّ وَاِلَیَّ۔

(الف)۔ اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ خط کشیدہ الفاظ کی مفصل وضاحت کیجئے۔

(ج)۔ نیز یہ بتائیے کہ "بعثت انا والساعة کہاتین" مقارنت کیلئے ہے یا مقاربت کیلئے دونوں صورتوں میں فرق بیان کیجئے۔

جواب سوال ۱۶:۔

(الف)۔ اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رض بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تقریر کرتے تو (ایک عجیب وغریب کیفیت سے) آپکی آنکھیں سرخ ہوجاتیں اور (جوش میں) آپ کی آواز

---

[۵۱] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح لعلی القاری ص۱۷۹ جلد اول [۵۲] بدعت کی مزید تعریف کیلئے دیکھئے مجالس الابرار ص۱۲۱ تا ص۱۳۲ [۵۳] اس حدیث کی مزید تشریح کیلئے دیکھئے ابو داؤد جلد ثانی ص۲۹۵، بذل المجہود جلد خامس ص۱۹۵، ترمذی شریف ثانی ص۹۲، الکوکب الدری جلد ثانی ص۱۳۲، مسند امام احمد جلد چہارم ص۱۲۶-۱۲۷، مقدمہ دارمی جلد اول ص۴۳، شرح السنہ جلد اول ص۲۰۶ کا حاشیہ، مرقاۃ المفاتیح لعلی القاری جلد اول ص۱۹۸ تا ص۲۰۰، تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی جلد سوم ص۳۷۸، تنظیم الاشتات جلد اول ص۱۲۷، مظاہر حق جدید جلد اول قسط چہارم ص۳۰

(نہایت) بلند ہوجاتی اور آپ کا غصہ بڑھ جاتا گویا کہ آپ تنبیہاً لشکر کو ڈرا رہے ہوں (پھر اسی انداز میں فرماتے) صبح وشام (خطرہ تمہارے سروں پر منڈلا رہا ہے) اور یوں کہتے کہ میں اور قیامت اس طرح (ساتھ ساتھ) مبعوث کئے گئے ہیں پھر (اپنی بعثت اور قیامت کی قربت کی وضاحت اس طرح کرتے کہ) اپنی سبابہ اور وسطی کو ملا دیتے نیز فرماتے امابعد بہترین کلام کلام اللہ ہے اور (اس کا) شاندار اعلیٰ نمونہ محمد صلعم کی سیرت ہے اور بدترین چیز (دین میں) نئی بات پیدا کرنا ہے اور (اس طرح کی) ہر بدعت گمراہی ہے ——— پھر (مزید فرماتے (تم میں) جس نے مال چھوڑا تو وہ (مال قانوناً) اس کے اہل (وعیال) کیلئے ہے اور جس نے قرضہ یا لاوارث بچے چھوڑے تو (قرض کی ادائیگی اور بچوں کی پرورش ونگہداشت اخلاقاً) میرے ذمہ ہے۔

(ب)۔ اذا خطب احمرت عیناہ۔

علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں دو وجہ سے یہ کیفیت ہوتی تھی:۔

(۱)۔ ایک تو یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی غفلت کو توڑنے بیداری اور دینی جوش وخروش پیدا کرنے کیلئے بلیغ انداز میں مؤثر تقریر فرماتے تھے جس کی وجہ سے آپکی آنکھیں بھی سرخ ہوجاتی تھی

(۲)۔ دوسری یہ کہ نبی جب امر الٰہیہ کو بیان کرتا ہے تو اس پر ایک عجیب وغریب پرسوز کیفیت و رقت طاری ہوتی ہے جس سے اعضاء جسم متاثر ہوتے ہیں اور آنکھوں میں خوف خدا اور سرخی صاف جھلکنے لگتی ہے[۱]۔

(۳)۔ ان دو وضاحتوں کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ نبی بوقت خطبہ جن فتنوں سے ڈرا رہا ہو اسی دوران ان فتنوں کے کچھ روح فرسا مناظر پردۂ غیب سے اسے دکھا دیئے جاتے ہوں جس سے اس کے دل کو تکلیف پہونچتی ہو اور یہ حالت ہوجاتی ہو۔

نیز نبی جب منکرات کا تذکرہ اور خطرات کی پیشین گوئی کرتا ہے تو ان کی شناعت وقباحت کے پیش نظر اس سے اللہ کی صفت قہاریت کا ظہور ہوتا ہے۔

صبحکم ومساکم

جب حالات بہت خراب ہوں اور صبح وشام خطرات کی زد میں ہوں اور انجام نہایت قریب آچکا ہو تو ایسے وقت میں اس مخفف جملہ کا استعمال کیا جاتا ہے جس کا مقصد انسانوں کو بیدار اور چوکنا کرنا ہوتا ہے یعنی پتہ نہیں صبح کو تمہارے اوپر کون سی آفت نازل ہوجائے اور معلوم نہیں شام کو تمہارا کیا انجام ہو حدیث باب میں "بعثت انا والساعۃ" کا قرینہ بتا رہا ہے کہ یہ جملہ اسی سے متعلق ہے تو اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ قیامت اتنی قریب آگئی ہے کہ بس صبح یا شام

[۱] حضرت شاہ ولی اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔

قائم ہی ہونے والی ہے اسلئے جو کچھ اعمال صالحہ یا توبہ وغیرہ کرنی ہو تو انھیں بسرعت لمحات میں کرلیا جائے۔

وخیر الھدی ھدی محمد ﷺ

یعنی سیرتوں میں سب سے شاندار جامع متنوع اور کامل سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے، اور دنیائے انسانی کے ہر طبقہ اور ہر درجہ کے انسان کیلئے یہی سیرت قابل تقلید اور عملی نمونہ ہے بادشاہ، فقیر، تاجر، شوہر، معلم و مربی، سپہ سالار غرض یہ کہ ہر قسم کے افراد کیلئے۔ سیرت محمدی پورا سامان فراہم کرتی ہے۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ سیرت کے اسی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے، اگر دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکہ احد سے عبرت حاصل کرو اگر تم استاد و معلم ہو تو صفہ کی درسگاہ کے معلم قدس کو دیکھو اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو اگر تنہائی و بے کسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی کا اسوہ حسنہ تمہارے سامنے ہے اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جد وجہد کا نظم و نسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم و نسق کو دیکھو اگر یتیم ہو تو عبد اللہ و آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے بچے کو دیکھو اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو اگر سفری کاروبار میں ہو تو بصری کے کاروان سالار کی مثالیں ڈھونڈو اگر عدالت کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رہا ہے مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و غریب

برابر تھے اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو اگر اولاد والے ہو تو فاطمہؓ کے باپ اور حسن حسین کے نانا کا حال پوچھو غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو تمہاری زندگی کیلئے نمونہ اور تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کیلئے سامان تمہارے ظلمت خانہ کیلئے ہدایت کا چراغ اور راہنمائی کا نور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کبری کے خزانہ میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے۔[1]

علامہ ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح و توضیح سے یہ ثابت ہو گیا کہ ایک آئیڈیل اور اکمل سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سیرت ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جملہ " وخیر الھدی ھدی محمد " جوامع الکلم ہے جو اپنے کثیر اور عظیم معنی کا احاطہ کئے ہوئے ہے ۔

من ترك مالا فلاهله ومن ترك دينا او ضياعا فعلی والی

علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ اور شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ حدیث باب میں مذکور "ضیاعا" ضیاع مصدر سے مشتق ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ میت نے نہایت کم سن اولاد چھوڑی ہے جسے سہارے اور کسی کے سایہ عاطفت کی ضرورت ہے اور سہارا میسر نہ ہونے کی صورت میں تباہی و بربادی یقینی ہے تو ایسے تمام بے سہاروں لاوارثوں اور یتیموں کے سرپرست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

یہ جملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رحمت بے نظیر سخاوت و وسعت نیز خدا ترسی کا ایسا بے مثال نمونہ ہے جس کی نظیر یورپی نام و نہاد انسانیت کے علمبرداروں اور تہذیب و تمدن کے ٹھیکیداروں کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی او حقیقت یہ ہے کہ اسلامی دستور کی یہ ایک ہی دفعہ اور ایک ہی قانون اتنا فیاضانہ اور ہمدردانہ ہے کہ اگر اس کو تمام غیر دینی ترقی یافتہ حکومتوں اور انجمنوں کے نام و نہاد انسانی آئین کے بالمقابل رکھ دیا جائے تو ان کی نخوت درندگی خود غرضی کا مکروہ چہرہ دنیا کے سامنے آجائیگا کیوں کہ بعض ترقی پسندوں اور منکرین خدا نے اپنے ملکوں میں یہ قانون جاری کر رکھا ہے کہ میت کے ترکہ مال و جائیداد کی وارث حکومت ہوگی اور میت کے تمام قرضوں کو اس کے ورثاء کو چکانا ہوگا تو گویا حکومت صرف مال و دولت اور نفع کی مالک ہے جب کہ بے چارے ورثاء نہ صرف ترکہ سے محروم ہوئے بلکہ قرضوں اور دوسرے نقصانوں کا بوجھ بھی ان کی پیٹھ پر لاد دیا گیا اس کے برخلاف اسلام اپنی رعیت کو نفع مال و دولت کا وارث قرار دیتا ہے اور یتیم و لاوارث بچوں کی پرورش و نگہداشت اپنے ذمہ لیتا ہے۔

(ج) :- "بعثت انا والساعة كهاتين" :

[1] خطبات مدراس ص ۸۵ تا ۸۶ -

مقاربت کے معنی بیان کرتے ہوئے شیخ عبدالغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک خود علامات قیامت آغاز کا ہے اس کے بعد دوسری نشانیاں ظہور پذیر ہوں گی تو آپ کے قول کے یہ معنی ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے علاوہ قیامت تک کوئی نبی اور کوئی نئی امت پیدا نہیں ہوگی اور جب امت محمدیہ اپنا وقت پورا کر چکے گی تو اسی دن قیامت برپا ہو جائے گی"۔

مقاربت کی صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ میں اور قیامت بہت قریب ہیں اور میرے اور قیامت کے درمیان اتنا ہی مختصر فاصلہ ہے جتنا کہ سبابہ اور وسطیٰ کے درمیان ہے حدیث باب میں مذکور "ویقرن بین اصبعیہ السبابہ والوسطیٰ" کا جملہ بتا رہا ہے کہ یہاں مقاربت کے معنی ہی زیادہ راجح ہیں۔

سوال ۱۷:۔ عن عبداللہ بن مسعود رضؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الا ان قِتَالُ الْمُؤمِنِ کُفرٌ وَ سِبَابُہٗ فِسقٌ"

(الف) مرجیہ کا تعارف کراتے کے بعد روایت بالا سے اس کا رد کیجئے۔

(ب)۔ اگر اس روایت سے خوارج کی تائید ہوتی ہے تو اس کا بھی تسلی بخش جواب دیجئے نیز "قتالہ کفر" کی ایسی موجہ تشریح کیجئے کہ ایمان کے بارے میں مسلک اہل حق سے اس کا ظاہری تعارض بالکلیہ رفع ہو جائے۔

جواب سوال ۱۷:۔

(الف)۔ فرقہ مرجیہ اپنے عقائد واوہام باطلہ کے لحاظ سے فرقہ معتزلہ کی ضد اور اس کا مد مقابل ہے خوارج ایسے تمام مسلمانوں کو کافر مرتد اور مخلد فی النار قرار دیتے ہیں جن کا دامن کبائر میں ملوث ہو گیا ہو لیکن مرجیہ دصرف صغائر و کبائر کی مضرت کے قائل نہیں بلکہ اعمال صالحہ کی افادیت کے بھی منکر ہیں چنانچہ معتزلہ ہر اس شخص پر مرجیہ کا اطلاق کرتے ہیں جو مرتکب کبائر کو مخلد فی النار نہ کہے۔

مرجیہ کے ذیل میں دیئے ہوئے پانچ شاخوں کے عقائد میں یہ عقائد تمام ہی میں قدرے مشترک پائے جاتے ہیں کہ ایمان صرف معرفت قلبی اور اقرار لسانی ہے اعمال صالحہ کا ان سے کوئی تعلق نہیں اور توحید و ایمان کی موجودگی میں معصیت اس پر اثر انداز نہیں اور ان کبائر و صغائر پر آخرت میں بھی کوئی مواخذہ نہیں ہوگا کیونکہ جس طرح ایمان نہ ہونے کی صورت میں کوئی عمل و اطاعت قابل منفعت نہیں ہوتی اسی طرح ایمان کی موجودگی میں کوئی معصیت بھی قابل مضرت نہیں ہوتی۔

مرجیہ ہی کے کچھ لوگ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ امامت قریش کیلئے مخصوص نہیں ہر مسلمان اس کا امیدوار ہو سکتا ہے اور بعض حضرات اس کے بھی قائل ہیں کہ کفر محض جحود و انکار اور چاند و سورج اور بت کو سجدہ کرنا ہے اگر ایسا وہ نہ کرے اور دل میں کفر ہی ہو تو یہ علامت کفر تو ہو گی لیکن اس کو کافر نہیں قرار دیا جائے گا۔

محمود الشیبی "الفرق الاسلامیہ" میں فرماتے ہیں کہ کچھ حضرات کے نزدیک حسن بن محمد بن الحنفیہ یعنی حضرت علی کے پوتے نے یہ عقیدہ سب سے پہلے ظاہر کیا لیکن "الملل والنحل" میں ان کے عقائد کو دیکھتے ہوئے یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی جب کہ ایک طبقہ کا یہ خیال ہے کہ ارجاء کا عقیدہ بصرہ سے ظاہر ہوا اور حسان بن بلال مزنی اس عقیدے کا بانی تھا ——— اس کے علاوہ معدودے چند لوگوں نے ابو سلت سلمان کو بھی اس فرقہ کا بانی قرار دیا ہے۔

مرجیہ کے متعدد فرقے :-

(۱)- یونسیہ :- یونس بن نمیر کی جانب منسوب ہے۔

(۲)- عبیدیہ :- یہ فرقہ عبید بن مہران مکتب کی جانب منسوب ہے جو اللہ تعالیٰ کی شکل کو انسانوں جیسی قرار دیتا تھا۔

(۳)- غسانیہ :- غسان کوفی کے نام سے موسوم ہے۔

(۴)- ثوبانیہ :- ابو ثوبان مرجی اس فرقے کا بانی ہے۔

(۵)- تومنیہ :- تومن مصر کا ایک گاؤں ہے اسی کے ایک شخص ابو معاذ تومنی کے نام پر اس فرقہ کو تومنیہ کہا جاتا ہے[1]

حضرت ابو وائل سے جب مرجیہ کے فرسودہ خیالات اور باطل عقائد کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے اس کی تردید میں یہی حدیث باب "سباب المؤمن فسوق وقتاله كفر" پڑھ کر سنا دی مرجیہ کیونکہ معرفت قلبی اور اقرار لسانی کے بعد معاصی و کبائر کی حضرت کے بھی منکر ہیں لہٰذا حدیث مذکور سے ان کی صراحتاً تردید ہو گئی نیز مرجیہ کی تردید کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حجۃ الوداع کا یہ ارشاد بھی پیش نظر رہے "لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم

---

[1] ص ۲۲ تا ۲۶ مرجیہ کی یہ ساری تفصیل الفرق الاسلامیہ للشیبی، تاریخ المذاہب الاسلامیہ لابی زہرہ، الرفع والتکمیل للکنوی بتحقیق ابو غدہ حلبی اور الکوکب الدری و دیگر امہات الکتب سے ماخوذ ہے۔ ۱۲

رقاب بعض"۔

توان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ معصیت کی مضرت سے ایمان نہ صرف متاثر ہوتا ہے بلکہ بعض معاصی تو انسان کو کفر تک پہنچا دیتے ہیں لہٰذا مرجیہ کا یہ عقیدہ سراسر باطل اور ایک واہمہ ہے۔

(ب)۔ خوارج چونکہ مرتکب کبائر پر تکفیر کا حکم لگاتے ہیں اور حدیث میں وارد ہوئے ایسے تمام الفاظ کو حقیقت کے معنی میں لیتے ہوئے حدیث باب "قتال المومن کفر وسبابہ فسق" سے بظاہر اپنے مسلک پر استدلال کرتے ہیں۔

لیکن ان کا یہ استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ حدیث میں "قتال المومن کفر" دراصل "سبابہ فسق" کے مقابلہ پر وارد ہوا ہے جس سے قتال مسلم کی تشدید و تغلیظ اور اس کی قباحت و شناعت کا اظہار مقصود ہے نہ قاتل مسلم کے کافر ہونے کا۔ کیونکہ سب و شتم کو فسق کا درجہ دینے کے بعد قتال مسلم کو بھی فسوق ہی سے تعبیر کر دیا جاتا تو قتال و فسوق کے مراتب کی نوعیت پوری طرح واضح نہ ہوتی اور مقصد کلام بھی حاصل نہ ہوتا اسلئے سباب سے درجات میں بلند و برتر کرنے کیلئے قتال پر تغلیظاً کفر کا اطلاق کیا گیا ورنہ فی الحقیقت ایمان کی ضد کفر یہاں مراد نہیں۔

اب ذیل میں متعدد تاویلیں درج کی جاتی ہیں جو علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں نقل فرمائی ہیں:۔

(۱)۔ ایک تو یہ کہ اگر مسلمان سے حلال سمجھ کر قتال کیا جائے تو یہ حقیقتاً کفر ہے لیکن علامہ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ نے امام نووی کے اس نقل شدہ جواب پر بڑا وزنی اشکال کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مسلمان کو حلال سمجھ کر تو گالی دینا بھی کفر ہے پھر قتال اور سباب میں کیا فرق رہ گیا لہٰذا یہ توجیہ صحیح نہیں[۱]۔

(۲)۔ دوسری توجیہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہاں کفر سے ایمان کی ضد کفر مراد نہیں بلکہ کفر سے کفران نعمت مراد ہے یعنی قاتل مسلم نے اپنے سنگین جرم سے احسان اور نعمت کی ناشکری اور اسلامی برادری سے ایک طرح کی بغاوت کی ہے اسی لئے اسے کفر سے تعبیر کر دیا گیا[۲]۔

---

[۱] دیکھئے فتح الملہم جلد اول ص ۲۳۷ [۲] ملاحظہ کیجئے مسلم اول ص ۵۸ ۔

(۳)۔ تیسرا جواب علامہ نووی یہ نقل فرماتے ہیں کہ قتال مسلم کیونکہ شناعت وقباحت اور نحوست میں کفر کی حدود تک پہونچا ہوا ہے اسلئے اس کو کفر سے تعبیر کیا گیا اسی کو الکوکب الدری میں اسطرح بیان کیا گیا ہے" والجواب عن القتال بالکفر لکونہ اعظم الکبائر فکانہ اذا قتل المسلم فقد کفر[۱]

(۴)۔ چوتھا قول امام نووی یہ نقل فرماتے ہیں کہ حدیث باب میں قتال مسلم کو فعل کفار سے تشبیہ دی گئی ہے کہ قتال مسلم ایمان والے کی نہیں بلکہ کافر کی شان ہے ——— اسلئے بقول علامہ عثمانی کے یہاں تغلیظ وتشدید کیلئے قتال مومن کو کفر کہا گیا ہے اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہی قول زیادہ راجح اور باوزن ہے کیونکہ تغلیظا کیلئے کفر کے استعمال کی شریعت میں دوسری نظیریں بھی موجود ہیں اور ان سب میں تغلیظ وتشدید کا پہلو ہی پیش نظر ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا "لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض"

علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث باب سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان قتل کرتے کرتے حقیقی کفر تک بھی پہونچ جاتا ہے علامہ کی یہ تحقیق باوزن ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی دقت نظر کا ایک بے مثال نمونہ ہے۔

ہماری درج بالا مفصل تشریح سے حدیث باب کا مسلک اہل حق سے جو ظاہری تعارض تھا وہ بالکلیہ رفع ہو گیا۔

سوال ۱۸:۔ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ تَلَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْآيَةَ "هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ" اِلٰى قَوْلِهٖ "وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ" فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اِذَا رَاَيْتُمُ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْهِ فَهُمُ الَّذِيْنَ عَنَاهُمُ اللّٰهُ فَاحْذَرُوْهُمْ۔

(الف)۔ اعراب وترجمہ کے بعد محکم ومتشابہ کی تعریف مع مثال تحریر فرمائیے۔

(ب)۔ متشابہات احادیث بھی نقل کیجئے۔

---

[۱] دیکھئے الکوکب الدری جلد ثانی صفحہ ۱۲۷۔ اس حدیث کی مزید تفصیل کیلئے دیکھئے تحفۃ الاحوذی جلد سوم صفحہ ۳۶۵ ترمذی شریف جلد ثانی صفحہ ۸۰ کا حاشیہ فتح الملہم جلد اول صفحہ ۲۳۷

(ج) ۔ اور ان تین اقوال "بعض قرآن محکم ہے بعض متشابہ" "کل قرآن محکم ہے" "کل قرآن متشابہ ہے" میں ہر قول کی مراد واضح کرکے قول راجح کو مدلل تحریر فرمائیے۔

جواب سوال ۱۸ :۔ (الف)۔ اعراب کیلئے ملاحظہ ہو ص ۵۸

حضرت عائشہ صدیقہ رض روایت کرتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی "ھو الذی انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات ھن ام الکتاب واُخر متشابھات الیٰ قولہ وما یذکر الا اولو الالباب" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ناصحانہ انداز میں) فرمایا کہ اے عائشہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو (متشابہات میں) جھگڑتے ہیں تو (فوراً سمجھ لینا کہ) یہی وہ (بدنصیب) لوگ ہیں جن کو خداوند قدوس نے (فاما الذین فی قلوبھم زیغ الخ میں) مراد لیا ہے تو تم (تمام مسلمان) ایسے لوگوں سے بچ کر رہنا (کیونکہ اسی میں خیر وعافیت ہے)۔

علامہ سید انور شاہ کشمیری رح محکم کی تعریف اس طرح کرتے ہیں :۔

"المحکم ما احکم مرادہ"[۱]

ملا علی قاری ذرا دوسرے انداز سے تعریف کرتے ہیں :۔

"(المحکم) وھی ما امن من احتمال التاویل"[۲]

علامہ آلوسی نے ذرا اور وضاحت سے کام لیتے ہوئے فرمایا :۔

"(المحکمات) واضحۃ المعنی ظاھرۃ الدلالۃ محکمۃ العبارۃ محفوظۃ من الاحتمال والاشتباہ"[۳]

اب ذیل میں اس کی مثالیں ملاحظہ فرمائیے :۔

۱۔ یا ایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم الخ

۲۔ یا ایھا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ الخ

۳۔ یا ایھا الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیرا منھم الخ

متشابہ کی تعریف کرتے ہوئے علامہ سید انور شاہ کشمیری رح فرماتے ہیں :۔

---

۱ دیکھئے فیض الباری جلد رابع ص ۱۶۶ ۲ دیکھئے مرقاۃ المفاتیح جلد اول ص ۱۸۵ ۳ ملاحظہ ہو روح المعانی الجزء الثالث ص ۸۰ ۔

"المتشابہ ما ابھم مرادہ"[۱]

ملا علی قاری اسی مضمون کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

"المتشابہ ما بلغ فی الخفاء غایتہ ولا یرجی معرفتہ"[۲]

علامہ خطابی ذرا اور تفصیل کرتے ہیں:۔

"ما اشتبہ منہا فلم یتعلق معناہ من لفظہ ولم ینزل حکمہ من تلاوتہ"[۳]

اب ذیل میں تمشابہ کی مثالیں قلمبند کی جاتی ہیں[۴]۔

۱۔ "الرحمٰن علی العرش استوی"

۲۔ "کل شیء ھالک الا وجہہ"

۳۔ "ید اللہ فوق ایدیہم" اور حروف مقطعات وغیرہ۔

(ب)۔ ذیل میں چند تشابہ احادیث نقل کی جاتی ہیں:۔

۱۔ عن ابی ھریرۃ رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزل ربنا تبارک وتعالی کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقی ثلث الاخر یقول من یدعونی فاستجیب لہ من یسألنی فاعطیہ من یستغفرنی فاغفر لہ (متفق علیہ)۔

۲۔ عن ابی ھریرۃ رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلق اللہ الخلق فلما فرغ منہ قامت الرحم فاخذت بحقوی الرحمٰن فقال مہ قالت ھذا

---

[۱] فیض الباری جلد رابع صفحہ ۲۶۶ [۲] مرقاۃ المفاتیح جلد اول صفحہ ۱۸۵ [۳] دیکھئے عمدۃ القاری للعینی جلد ہشتم صفحہ ۵۱۵ [۴] محکم اور متشابہ کی سیر حاصل بحث کیلئے دیکھئے الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی الجزء الثانی صفحہ ۲ تا صفحہ ۱۳ نیز دیکھئے سورۃ فاتحہ لابن تیمیہ، علوم القرآن لصالح صبحی۔ حضرت عائشہ کی حدیث باب کی مزید تفصیل کیلئے دیکھئے مرقاۃ المفاتیح جلد اول صفحہ ۱۹۰، شرح السنہ جلد اول صفحہ ۲۲۰-۲۲۲، مظاہر حق جدید جلد اول قسط چہارم صفحہ ۱۸۰، ترمذی جلد ثانی صفحہ ۱۲۳، مسلم جلد ثانی صفحہ ۳۳۹ کی شرح نووی۔ فتح الباری جلد ہشتم صفحہ ۱۲۶-۱۲۷، ۱۲۵، بذل المجہود جلد خامس صفحہ ۱۸۹، فیض الباری جلد چہارم صفحہ ۱۶۶ و صفحہ ۱۶۶، عمدۃ القاری جلد ہشتم صفحہ ۵۱۵، تحفۃ الاحوذی جلد چہارم صفحہ ۸۰، معارف القرآن جلد دوم صفحہ ۲۰، روح المعانی للآلوسی الجزء الثالث صفحہ ۸۰۔ نیز مذکورہ شروحات کے علاوہ محکم و متشابہ کیلئے مولانا تقی عثمانی مدظلہ کی علوم القرآن کا مطالعہ بھی نہایت ضروری ہے اور ایک مختصر رسالہ بحر العلوم حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تحریر فرمایا ہے "التوجہ بما یتعلق بالتشابہ" اس کا مطالعہ بھی نہایت مفید ہوگا [۵] حقوین تثنیۃ حقو بمعنی دکھ۔

مقام العائذبك من القطيعة قال الا ترضين ان اصل من وصلك واقطع من قطعك قال بلیٰ یارب قال فذاك (متفق علیہ)

۳- عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان قلوب بنی آدم کلها بین اصبعین من اصابع الرحمٰن کقلب واحد یصرفه کیف یشاء ثم قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اللهم مصرف القلوب صرف قلوبنا علیٰ طاعتك (مسلم)

(ح)- امام ابن حبیب نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے محکم و متشابہ پر بحث کرتے ہوئے اس ذیل میں تین مذاہب نقل کئے ہیں:-

۱- کل قرآن متشابہ ہے۔

۲- کل قرآن محکم ہے۔

۳- بعض قرآن محکم اور بعض متشابہ ہے۔

کل قرآن متشابہ ہے۔

ایک فرقہ اس بات کا قائل ہے کہ قرآن کریم اپنی ابتداء سے انتہا تک مکمل متشابہ ہے اور اس میں کوئی آیت در کوع اور کوئی مضمون و حکم نیز کوئی مفہوم بھی ایسا نہیں جو بہت زیادہ واضح ہو اور عقل انسانی اس کا پورے طور سے احاطہ و ادراک کر لیتی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خود فرمایا "کتاباً متشابهاً مثانی" یعنی ہم نے ایسی کتاب کو نازل کیا جو متشابہ ہے اور بار بار پڑھی جاتی ہے تو مذکورہ آیت میں متشابہ کو کتاب کی صفت بنایا گیا جس سے کل اور جمیع قرآن کا متشابہ ہونا ثابت ہوتا ہے نیز اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس اعلیٰ وارفع ہستی کی عظمت و رفعت تمام نقائص سے مبرا اور تمام عیوب سے منزہ ہونیکا بھی یہی تقاضا ہے کہ اس کا کلام اپنی جامعیت و اختصار حقائق و دقائق اور فصاحت و بلاغت کے اس معیار پر ہو جہاں کمزور و نحیف اور ناتواں انسانوں کی ناقص عقل اور قوت ادراک جواب دے جاتی ہو نیز کل قرآن کو متشابہ تسلیم کرنے میں اس کے اعجازی پہلو کو بھی مزید تقویت ملے گی اور وہ زیادہ نکھر کر سامنے آئیگا۔

کل قرآن محکم ہے۔

ملت اسلامیہ کا ایک دوسرا فرقہ اس بات پر مصر ہے کہ جمیع قرآن محکم واضح اور معلوم المراد ہے اور اس میں کوئی معنی و مفہوم کوئی عبرت و نصیحت اور کوئی حکم و فرض بھی ایسا نہیں جو عقل انسانی کو حیران ذہن انسانی کو پریشان اور قوت ادراک کو مفلوج کر گیا ہو اور ابھی تک اس پر اجمال و اشتراک اور ابہام کے دبیز پردے پڑے ہوں کیونکہ رب العٰلمین خود فرماتا ہے کتاب

احکمت آیاتہ" یعنی یہ ایسی کتاب ہے جس کی تمام آیات واضح اور محکم ہیں تو مذکورہ آیت میں بغیر کسی استثناء کے قرآن پاک کی تمام آیات پر محکم ہونے کا اطلاق کیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی کسی حقیقت وحکمت اور علم ومعرفت کو پردہ خفا میں نہیں رکھا گیا اور احکام و اصول پر ابہام واشتباہ کا پردہ ڈال کر اس کی مراد اور اس کے منشاء ومقصد کو چھپا کر مخاطبین کو تکلیف مالایطاق کا مکلف نہیں بنایا گیا اور اس کو "بلسان عربی مبین" میں نازل فرما کر "ثم فصلت من لدنه حکیم خبیر" کی صراحت فرما کر اس کے تمام حقائق و دقائق علوم ومعارف اور اسرار ورموز سے پردہ اٹھا دیا گیا۔

اس کے علاوہ عقل وحکمت کا بھی یہ تقاضا ہے کہ ایک علیم وحکیم کے اس پیغام کو محکم واضح اور مشرح ہی ہونا چاہیے جس میں ہر سطح ہر درجہ اور ہر طبقہ کے انسانوں کو مخاطب بنایا گیا ہو کیونکہ اگر وہ متشابہ مبہم اور مجمل ہوگا تو مخاطبین کے واسطے تکلیف مالایطاق لازم آئے گی اور سیاق کلام نیز ارسال پیغام کا مقصد بھی فوت ہو جائے گا اور مقامات اشتباہ آیات اجمال اور مضامین ابہام تقریباً منسوخ ہو کر رہ جائیں گے اسلئے ان سارے اعتراضات اور اشکالات سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ کل قرآن کو محکم واضح اور مشرح مانا جائے۔

بعض قرآن محکم اور بعض متشابہ ہے

امت کا سواد اعظم اس بات کا قائل ہے کہ بعض قرآن محکم اور بعض متشابہ ہے جمہور امت فرقہ اول کی طرح نہ تو قرآنی اعجاز کو اتنا طول دیتے ہیں کہ اس کی تعلیمات وارشادات بے معنی ہو کر رہ جائیں اور اس کا مقصد ومنشاء اشتباہ اجمال اور ابہام کی نذر ہو جائے اور نہ ہی فرقہ ثانیہ کی طرح توضیح وتشریح میں اتنی تنگ حدود اور حد سے تجاوز کرتے ہیں کہ جس سے قرآن کی امتیازی شان اس کا انفرادی مقام نیز اس کی عظمت ورفعت متاثر ہو اور اس کے اعجازی کردار اور مثل لانے کے چیلنج کو کوئی صدمہ پہونچے۔

اسی لئے جمہور امت نے مقاصد قرآن اور پیغام اسلام کے پیش نظر جملہ نصوص صریحہ اور قرآن وحدیث کے دلائل کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا کہ اس کا اکثر حصہ محکم اور اس کی انفرادیت اور اعجاز کی وجہ سے بعض متشابہ ہے کیونکہ قرآن کریم میں رب جلیل نے خود فرمایا ہے "هو الذی انزل علیک الکتاب منه آیات محکمات هن ام الکتاب واخر متشابهات الخ"۔

یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ قرآن دو حصوں پر مشتمل ہے محکم اور متشابہ یعنی جو آیات محکمات ہیں دراصل ان پر ہی اسلامی احکام وارکان کا دار ومدار ہے اور بقیہ دوسری آیتوں پر قرآن کو منفرد وممتاز کرنے کیلئے اجمال ابہام اور اشتباہ کا پردہ ڈال دیا گیا ہے نیز حدیث شریف

ہیں آ۔ ا۔ ب" قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزل القرآن علیٰ خمسة اوجه حلال وحرام ومحکم ومتشابه وامثال فاحلوا الحلال وحرموا الحرام واعملوا بالمحکم وآمنوا بالمتشابه واعتبروا بالامثال"۔

یہ حدیث قرآن کے بعض محکم اور بعض متشابہ ہونے پر صریح دلالت کر رہی ہے نیز عقل وحکمت بھی اسی کی متقاضی ہے کہ دعوت وارشاد وعظ ونصیحت اور اعمال واحکام کے واسطے قرآن کا ایک بڑا حصہ محکم اور واضح ہو اور عقل انسانی کے نقص وکوتاہی کو تسلیم کرانے اور اللہ تعالیٰ کی شان رفعت وعظمت کے اظہار کیلئے اس کا ایک چھوٹا حصہ مبہم اور متشابہ بھی ہو تاکہ دیگر کلاموں سے کلام اللہ کا ظاہری امتیاز بھی باقی رہے۔

سوال ۱۹: ـ عن حذیفة رضہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا یقبل اللہ لصاحب بدعة صوما ولا صلوۃ ولا صدقة ولا حجا ولا عمرة ولا جهادا ولا صرفا ولا عدلا یخرج من الاسلام کما تخرج الشعرة من العجین۔

(الف)۔ معنی خیز ترجمہ کرنے کے بعد بدعت کی ایسی تعریف کیجئے جس پر کوئی اشکال وارد نہ ہو۔

(ب)۔ بدعت پر ایک مختصر مقالہ لکھئے۔

(ج)۔ قبول اجابت اور قبول اصابت کی مع امثلہ تعریف نقل کرنے کے بعد بتلائیے کہ یہاں کونسی مراد ہے؟

جواب سوال ۱۹: ـ (الف)۔ حضرت حذیفہ رضہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بدعتی کے روزہ نماز صدقہ حج عمرہ جہاد توبہ فدیہ (غرض یہ کہ کسی بھی عبادت) کو قبول نہیں فرماتا اور وہ (بدعتی) آٹے میں سے بال کی طرح اسلام سے نکل جاتا ہے (اور بدعت پر اصرار کرتے ہوئے زیادہ دنوں تک اسلام پر قائم نہیں رہ سکتا)۔

(ب)۔ بدعت کی تعریف کیلئے ملاحظہ ہو ص
یہ حقیقت ہے کہ امم سابقہ کی آسمانی کتابیں محفوظ نہ رہنے ان کی شریعتوں کے محرف ہونے اور تعلیمات الٰہیہ کے تغیر وتبدل میں جہاں مختلف وجوہ واسباب کارفرما ہیں وہیں یہ کچھ مفروضہ خیالات کی پرستش اپنے ہادیوں کی جانب بدعات وخرافات کی نسبت اور اتباع آرزو نے بھی ان کی تباہی وبربادی میں اہم رول ادا کیا ہے انبیاء کی تعلیمات پر جھوٹ وافتراء کے دبیز پردے ڈالنے خود ساختہ خیال خام پر تعلیمات نبوی کا لیبل لگا کر ان کی اشاعت کرنے نیز ان کے بلند

ثواب سمجھنے ہی کی وجہ سے ان کی شریعتیں معرفت الٰہی سے محروم محض بدعات وخرافات کا پلندہ بن کر رہ گئیں ۔

اسی پس منظر کے تحت اسلام نے جہاں مختلف و متعدد قیود و خطوط کئے فلاح انسانی کیلئے ایک ہمہ گیر نظام پیش کیا ایمان وعمل کے گلشن کو مہکایا وہیں روز اول ہی سے اپنی خاتمیت وابدیت کے پیش نظر کڑی پابندی لگادی کہ شریعت اسلامی میں فاسد افکار وخارجی اوہام کی آمیزش ہرگز نہ کی جائے اور اسلام کے صاف وشفاف آئینہ کو بدعات وخرافات کی آلائشوں سے گندہ نہ کیا جائے اس کیساتھ ایک قاعدہ کلیہ مقرر فرمادیا کہ "کل محدثة بدعة" کے زمرے میں جو خیالات وعقائد بھی آئیں وہ "کل بدعة ضلالة" کا مصداق ہوں گے اور ان کا انجام "کل ضلالة فی النار" ہی ہوگا نیز دین میں کچھ گھڑنا اتنا سنگین جرم قرار دیا گیا کہ قرآن نے مشرکین کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ اگر پیغمبر اپنی جانب سے کچھ گھڑلے تو اس جرم کی پاداش میں اس کی بھی رگ کاٹ دی جائے گی ۔

بدعات وخرافات سے جہاں دین وپیغمبر پر افتراء لازم آتا ہے دین کا تکمیلی مرحلہ اور عقیدۂ خاتمیت متاثر ہوتا ہے وہیں ملت کی فکر وعمل کی قوتیں بری طرح متاثر ہوتی ہیں اور بدعت کی نحوست کی وجہ سے اس قوم پر فتنہ وفساد کو مسلط اور تمام خیر نیز انوار وبرکات کو سلب کر لیا جاتا ہے کیونکہ یہ قوم خدا کی غیرت اور نبی کی رسالت کو چیلنج کر رہی ہے ۔

اس کی شناعت وقباحت میں ایک یہ بھی حکمت ہے کہ اسلام نے خود اپنے ماننے والوں پر اتنی ذمہ داریاں عائد کی ہیں کہ ان کے بعد پھر مزید کسی ذمہ داری کو فطرت انسانی برداشت نہیں کرسکتی تو اگر اسلامی فرائض وواجبات کے علاوہ مزید بھی ذمہ داریوں کا بوجھ بلاوجہ اپنے سر لے لیا جائے اور نئی نئی بدعات سے اس میں بھی اضافہ ہوتا رہے تو ایک دن ایسا ضرور آئے گا کہ وہ ان غیر فطری ذمہ داریوں سے پریشان ہوکر جب ان راہوں سے نکلنا چاہے گی تو تمام ہی دینی وغیر دینی ذمہ داریوں کو نباہنے سے صاف انکار کر دے گی اور ایمانی واسلامی قیود سے آزاد ہوکر الحاد وارتداد اور لادینیت کے غاروں ہی پناہ دے گی ۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم"

انھیں امور کی روک تھام کیلئے اسلام نے غلو فی الدین کی بھی تمام راہیں مسدود کرنا ضروری سمجھا کیونکہ اس سے وہ مزاج ومذاق پیدا ہوتا ہے جو آگے چل کر بدعات وخرافات کی نہایت خطرناک صورت اختیار کر لیتا ہے اسی لئے قرآن کریم نے افراط وتفریط کی راہوں سے بچانے کیلئے امت مسلمہ کو امت وسط سے ملقب کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "خیر الامور اوسطها

فرما کر اعتدال فی الدین کی تعمیل پر ابھارا کیونکہ بدعات و خرافات سے بچنے کا یہی صحیح اور سیدھا راستہ ہے۔

اب ہم ذیل میں چند دلائل نقل کر رہے ہیں آپ درج بالا مضمون کو ان دلائل کی مدد سے ایک بسیط مضمون کی شکل دیجئے:۔

۱۔ عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد ﷺ وشر الامور محدثاتھا وکل بدعة ضلالة (مسلم)

۲۔ عن عائشة رضی اللہ عنھا من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد (مسلم وبخاری)

۳۔ من سن سنة سیئة فعمل بھا کان علیہ وزرھا ووزر من عمل بھا لا ینقص من اوزارھم شیئاً (ابن ماجہ)

۴۔ من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار (بخاری ومسلم)

۵۔ عن ابن عباس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أبی اللہ ان یقبل عمل صاحب بدعة حتی یدع بدعتہ (ابن ماجہ)

۶۔ من دعا الی ضلالة کان علیہ من الاثم مثل آثام من تبعہ لا ینقص ذلک من آثامھم شیئاً (مسلم)

۷۔ عن حذیفة بن الیمان رض قال کل عبادة لم یتعبد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تعبدوھا، فان الاول لم یدع للآخر مقالاً فاتقوا اللہ یا معشر المسلمین وخذوا بطریق من کان قبلکم۔

۸۔ عن عبد اللہ بن مسعود رض کان یقول فی خطبتہ انکم ستحدثون ویحدث لکم فکل محدثة ضلالة وکل ضلالة فی النار۔ (الاعتصام ج ا ص ۷۶)۔

(ج)۔ استاذ محترم حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ العالی "درس ترمذی" میں قبول اصابت کی تعریف یوں کرتے ہیں:۔

"کون الشئ مستجمعاً لجمیع الشرائط والارکان"

یعنی عمل وامر دین کیلئے جن جن قیود ولوازمات کی شرط ہے وہ تمام کی تمام بیک وقت موجود ہوں تو اس معنی کے لحاظ سے یہ صحت کا مترادف ہے اور اسکا نتیجہ دنیاوی اعتبار سے فراغ الذمہ ہے۔

قبول اصابت کی مثال:

۱۔ لایقبل اللہ صلوٰۃ حائض الا بخمار

۲۔ لاتقبل صلوٰۃ بغیر طھور ولا صدقۃ من غلول۔

قبول اجابت کی تعریف کرتے ہوئے مولانا عثمانی فرماتے ہیں:۔

"وقوع الشئی فی حیز مرضاۃ الرب سبحانہ وتعالیٰ"

یعنی اللہ کو یہ عمل اور یہ ادا پسند آئے اور وہ اس بندہ کیلئے آخرت میں ثواب کا ذخیرہ مقرر فرمادے تو اس کا نتیجہ صرف آخرت کا ثواب ہے۔[1]

قبول اجابت کی مثال:

۱۔ من شرب الخمر لم تقبل لہ صلوٰۃ اربعین صباحًا۔

۲۔ ابی اللہ ان یقبل عمل صاحب بدعۃ حتی یدع بدعتہ۔[1]

حدیث باب میں قبول سے قبول اجابت مراد ہے۔

سوال نمبر ۳۰:۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا یَنْتَزِعُہٗ مِنَ النَّاسِ وَلٰکِنْ یَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ فَاِذَا لَمْ یَبْقَ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوْسًا جُہَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا۔

(الف)۔ اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب)۔ درج بالا حدیث کا "باب اجتناب الرای والقیاس" سے کیا مناسبت ہے، بیان کیجئے۔

(ج)۔ نیز اصولی طور پر لکھیں کہ رائے اور قیاس کے قابل قبول ہونے اور قابلِ اجتناب ہونے کی کیا شرائط ہیں؟

جواب سوال نمبر ۳۰:۔ (الف)۔ اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ (اس طرح) علم کو نہیں اٹھائیں گے کہ دفعۃً انسانوں سے اسے سلب کر لیں بلکہ (رفع علم کا انداز یہ ہوگا کہ) علماء کو (رفتہ رفتہ) وفات دیکر علم کو سلب کر لیں گے تو جب خداوند قدوس کسی عالم کو (بھی دنیا میں) نہیں چھوڑیں گے تو لوگ جاہلوں کو (اپنا پیشوا و) سردار بنالیں گے اور (عالم سمجھ کر) ان سے (مسائل شرعیہ) پوچھیں گے تو وہ جہلاء بغیر علم کے فتوے دیں گے اور خود بھی گمراہ ہوں گے اور (اپنے ساتھ ساتھ) دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔[2]

---

[1] دیکھیئے درس ترمذی للعثمانی جلد اول صفحہ ۲۱۵ ۔ [2] اس حدیث کی مزید تشریح کیلئے ملاحظہ ہو مسلم شریف جلد ثانی صفحہ ۳۴۰ شرح نووی دبخاری جلد اول صفحہ ۲۰ ۔ فیض الباری جلد اول صفحہ ۱۷۰ ۔ فتح الباری جلد اول صفحہ ۱۹۳ اور صفحہ ۱۶۶ ۔ ۱۷۴ ۔ م

(ب)۔ حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے یہ روایت "باب اجتناب الرای والقیاس" کے تحت ذکر کی ہے حدیث باب اور ترجمۃ الباب میں مطابقت یہ ہے کہ بغیر علم ومعرفت کے مسائل شرعیہ میں قیاس ورائے زنی نیز اس میں فتوے دینا گمراہوں اور شیطانوں کا کام ہے اسلئے اس عمل قبیح سے اجتناب ضروری ہے اور ایسا قیاس صحت سے دور اور غلط ہونے کے ساتھ ساتھ شریعت اسلامی پر ایک افتراء اور زبردست ہے کیونکہ قیاس کا حق اسی انسان کو ہوپہنچتا ہے جو ماخذ شریعت پر پوری طرح حاوی ہونے کیساتھ شریعت کی نزاکتوں اور اس کے مسائل کی علت حرام کو حلال پر گہری نظر رکھتا ہو اور اس کو نور معرفت بھی حاصل ہو اس کے برخلاف جہلاء ان صلاحیتوں سے عاری اور ان علوم ومعارف سے تہی دامن ہیں اسلئے ان کا قیاس اور فتوے دینا سراسر غلط اور اتباع آرزو پر مبنی ہے تو امام ابن ماجہ یہ تاکید فرما رہے ہیں کہ ایسے بے وقوفوں کو یہ ردیہ نہیں اختیار کرنا چاہئے اور اگر یہ نہیں مانتے تو تمام مسلمانوں کو ان کے قیاس اور ان کی صحبت وتعلق سے بالکلیہ اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ یہ شیطانوں کے پیرو اور گمراہ قسم کے لوگ ہیں۔

(ج)۔ اصولی طور پر قیاس کے صحیح اور قابل قبول ہونے کیلئے صاحب اصول الشاشی نے پانچ شرطیں نقل فرمائی ہیں۔[1]

۱۔ لایکون فی مقابلۃ النص۔

یعنی قیاس نص شرعی کے مقابل نہ ہو مثلاً ایک دیہاتی نے حضرت حسن بن زیاد سے نماز میں قہقہہ لگانے کے متعلق دریافت کیا حضرت حسن نے برملا جواب دیا کہ قہقہہ فی الصلوٰۃ ناقض وضو ہے دیہاتی نے حضرت کے جواب پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اگر کوئی شخص بحالت نماز کسی پاکدامن عفیفہ عورت پر تہمت لگادے تو یہ عظیم ترین گناہ ہونے کے باوجود ناقض وضو نہیں تو قہقہہ سے وضو کیوں ٹوٹنے لگا دیہاتی کا یہ قیاس مردود ہے کیونکہ قہقہہ کے متعلق نص شرعی یعنی صدیق اکبر رض کی روایت موجود ہے جس میں صراحتاً نقض وضو کا تذکرہ ہے۔

۲۔ لایتضمن تغییر حکم من احکام النص۔

احکام نص میں سے کسی حکم کی تغیر کا سبب نہ بنے جیسا کہ تیمم پر قیاس کر کے وضو میں بھی نیت کو شرط قرار دیدیا جائے کیوں کہ اس طرح وضو کی آیت مطلق سے مقید ہو کر تغیر لازم آتی ہے لہٰذا یہ بھی مردود ہے۔

۳۔ لایکون المعدّی حکماً لایعقل۔

بین السبیلین کی علت غیر مدرک بالعقل نہ ہو جیسے یہ کہنا کہ جس طرح اخراج ریح سبب

حدث ہے اور اس پر نماز کی بناء کرنا درست ہے اسی طرح احتلام بھی حدث ہے اسلئے اس پر بھی بناء جائز ہونی چاہیئے حکم اصل کی علت ادراک نہ ہونے پر یہ قیاس بھی مردود ہے۔

۴۔ لایقع التعلیل لحکم شرعی لا لامر لغوی۔
حکم شرعی کے اثبات کیلئے علت دریافت کی جائے نہ کہ لغوی امر کیلئے۔ مثلاً کوئی یوں کہے چور کو سارق اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ خفیہ طریقے سے دوسروں کا مال حاصل کرتا ہے تو وصف کی بناء پر نباش کفن چور کو بھی سارق قرار دیا جائے اور اس پر قطع ید کی حد جاری ہو یہ قیاس کیونکہ لغت سے متعلق ہے اسلئے امر شرعی میں اسکا اعتبار نہیں۔

۵۔ لایکون الفرع منصوصاً علیہ۔
فرع منصوص علیہ نہ ہو کیونکہ جب نص موجود ہے تو قیاس کی کوئی ضرورت نہیں مثلاً کفارہ قتل پر قیاس کرتے ہوئے غلام کیساتھ کفارہ ظہار اور کفارہ قسم میں بھی مومن کی قید لگادی جائے تو یہ قیاس مردود ہوگا کیوں کہ کلام اللہ میں ان کفاروں کو مطلق ذکر کیا ہے تو وہ مقید نہیں ہوگا۔

سوال ۲۱:۔ باب اجتناب الرأی والقیاس کے تحت ابن ماجہ نے متعدد روایات ذکر کی ہیں "فاسئلوا فافتوا بغیر علم۔ العلم ثلاثة فما وراء ذلك فهو فضل آية محكمة او سنة قائمة او فريضة عادلة۔ لم يزل امر بني اسرائيل معتدلا حتى نشا فيهم المولدون ابناء سبايا الامم فقالوا بالرأي فضلوا واضلوا۔ من افتى بفتيا غير ثبت فانما اثمه على من افتاه۔

(الف) امام ابن ماجہ رح اس عنوان سے اہل ظاہر کیطرح ہر قسم کے قیاس کے اجتناب کو ثابت کرنا چاہتے ہیں یا کسی خاص طرح کے قیاس اور رائے سے اجتناب کو ثابت کر رہے ہیں آپ جو شق اختیار کریں احادیث تحت الباب سے اس کو ثابت کریں۔

(ب) نیز خط کشیدہ الفاظ کی ایسی تشریح کیجیے جو مقصد باب کے عین مناسب ہو۔

جواب سوال ۲۱:۔ تمام علماء امت اور فقہاء ملت قرآن وحدیث اور اجماع امت کے بعد قیاس کو بھی بالاتفاق ماخذ شریعت میں شمار کرتے چلے آئے ہیں اور اسلامی قانون سازی میں اس کی غیر معمولی اہمیت کے ہمیشہ قائل رہے ہیں کیوں کہ صاحب فتاوی قاضی خان اور علامہ عینی کے بقول یہ ناممکنات میں سے ہے کہ ہر ہر جزئی اور تمام فروعی مسائل کی تفصیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی بیان فرمائیں اور کسی قسم کے قیاس اور تنقیح مناط کی ضرورت ہی نہ پڑے بلکہ نبی صرف اصول وکلیات اور کچھ فروعی مسائل کی مثالیں پیش کر کے ایسا آئین اور دستورامت کے حوالہ کر دیتا ہے جس کی روشنی میں حاملین شریعت کسی بھی امر پر حلت وحرمت

کراہت اور استحباب کا حکم لگاتے ہیں عہد رسالت میں حضرت معاذ بن جبل۔ غزوہ بنی قریظہ اور ابن عباس کی روایت میں نذر ہمشیر کے واقعات ہمیں اسی قسم کی مثالیں اور قیاس کی مشروعیت کا پتہ دیتے ہیں اور اس سلسلے میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کو قول فیصل کا درجہ رکھتا ہے

"واذا حکم الحاکم فاجتهد و اصاب فله اجران واذا حکم فاجتهد واخطأ فله اجر واحد"[۱]

اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عہد رسالت کے بعد عہد صحابہ اور خلافت راشدہ میں بھی قیاس برابر جاری وساری ہے اور صحابہ و تابعین کے سینکڑوں شاوے اسکی مشروعیت کا منھ بولتا ثبوت ہیں حضرت عمرؓ ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام اپنے ایک خط میں غیر منصوص مسائل میں صراحتاً نہیں قیاس کرنے پر ابھار رہے ہیں اور احتیاط کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں[۲]:-

"الفهم الفهم فيما يختلج فى صدرك مما لم يبلغك فى الكتاب والسنة اعرف الاشباه والامثال ثم قس الامور عند ذلك فاعمد الى احبها الى الله واشبهها بالحق فيما ترى الحديث"[۳]

یہی وجہ ہے کہ تمام محدثین ومفسرین اور فقہاء ومجتہدین اس کے جواز اور مشروعیت پر متفق ہیں اور امت میں سے معتزلہ روافض اور خوارج جیسے گمراہ فرقوں کو ہی اس کے عدم جواز اور انکار کی سوجھی اور انھوں نے صراحتاً قیاس کی تردید و تکذیب کی جب کہ اہل سنت والجماعت میں سے صرف داؤد ظاہری رح ہی قیاس کا انکار کرتے ہیں جیسا کہ علامہ ابن عبد البر نے جامع العلم میں صراحت کی ہے فرماتے ہیں:-

"لاخلاف بين فقهاء الامصار وسائر اهل السنة فى نفى القياس فى التوحيد واثباته فى الاحكام الاداؤد فانه نفاه فيهما جميعاً"[۴]

اس سلسلے میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے سخت موقف اختیار کیا اور منکرین قیاس کو علماء فقہاء کے زمرہ ہی سے خارج کر دیا اور تہذیب الاسماء میں امام الحرمین کا یہ قول نقل فرماکر

---

[۱] دراسات اللبیب ص۵ بحوالہ دار قطنی وبیہقی دیکھئے فتح المبین ص۳۳ [۲] ترجمہ:- ان تمام غیر منصوص مسائل میں ذرا پھونک پھونک کر قدم رکھنا جو تمہارے دل و دماغ میں خلجان پیدا کریں اور ایسے مسائل میں مخصوص شبیہوں اور مثالوں پر غور کر کے قیاس کرو پھر ان قیاسی امور میں تمہارے نزدیک جو چیز حق سے زیادہ قریب اور اللہ کو زیادہ پسند ہو اسی پر مسئلہ کی بنیاد رکھو۔ [۳] حصول المامول ص۸۶ بحوالہ فتح المبین فی مکائد غیر المقلدین۔

قیاس کی مشروعیت پر آخری مہر لگادی اور اب مزید لب کشائی کی گنجائش نہیں چھوڑی۔
"قال امام الحرمین الذی ذهب الیه من اهل التحقیق أن منکری القیاس لایعدون من علماء الامة وحملة الشریعة"
پھر آگے فرماتے ہیں:۔
"وهؤلاء ملتحقون بالعوام"[1]
اس پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب فیصلہ کیجئے کہ امام ابن ماجہ جیسے متبحر عالم مطلق قیاس کی نفی اور اس کی مشروعیت اور جواز کا کیسے انکار کر سکتے ہیں جب کہ عہد رسالت سے آج تک تمام علماء اس کے قائل ہیں اور ابن عبدالبر کی تحقیق کے مطابق صرف داؤد ظاہری ہی اس کے منکر نظر آتے ہیں۔
راقم سطور عرض کرتا ہے کہ امام ابن ماجہ نے اپنے ترجمۃ الباب "باب اجتناب الرای و القیاس" میں خود اس طرف اشارہ کیا ہے کہ قیاس کے سلسلے میں میرا بھی وہی مسلک ہے جو جمہور علماء حق کا ہے اور میں محض اسی قیاس کی حرمت و کراہت کو بیان کر رہا ہوں جو دلائل شرعیہ سے قطع نظر صرف رائے پر مبنی ہو امام نے رائے کو مقدم اور قیاس کو اسی لئے مؤخر کیا ہے کہ صرف رائے کے ذیل میں آنے والا قیاس ناقابل قبول اور مردود ہے راقم سطور کی اس تحقیق کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ عام طور پر رائے کا لفظ عربی زبان میں اسی وقت بولا جاتا ہے جب کہ آگے پیچھے کوئی دلیل نہ ہو اور محض نفس کے تقاضے سے کوئی اعتقاد قائم کر لیا جائے اور اس میں بشری زلتوں کے ساتھ ساتھ اتباع آرزو کی بھی آمیزش ہو شریعت میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ "من قال فی القرآن برایه فلیتبوأ مقعده من النار"[2] نیز "من قال فی القرآن برایه فاصاب فقد اخطأ" اور ایک مرتبہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسر نفسی کے طور پر خود اس کے فرق کو صاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔
"اذا امرتکم بشیءٍ من امر دینکم فخذوا به واذا امرتکم بشیءٍ من رائی فانما انا بشر"[3]

---

[1] فتح المبین ص۲۳ [2] ترمذی ابوداؤد [3] مسلم ۱۲

اسی لئے امام ابن ماجہ نے اسی حکمت کے پیش نظر رحمۃ الباب ہی میں قیاس کو معطوف اور رائے کو معطوف علیہ بناکر اشکالات واعتراضات کی ساری گتھیاں سلجھادیں پھر اسی ذیل میں ایسی احادیث لائے کہ جو کچھ تھوڑا بہت تردد وتذبذب تھا وہ بھی بالکلیہ رفع ہوگیا۔

چنانچہ پہلی حدیث میں بغیر علم فتوے دینے اور صراحتاً رائے زنی کا تذکرہ ہے اور وہ بالاتفاق قابل مذمت ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ علم تو تین ہیں آیت محکمہ سنت قائمہ فریضہ عادلہ اسلئے ہر مسئلہ کو انہیں دو علوم کی روشنی میں پرکھا جائے گا جو ان کے مطابق ہوگا وہ فریضہ عادلہ کے زمرہ میں آئے گا اور ان کے سوا باقی سب رائے اور غیر ضروری قیاس ہیں جن کا کوئی اعتبار نہیں اور ان سے اجتناب لازم ہے۔

تیسری حدیث میں بھی محض رائے کی بدولت گمراہی وضلالت وسفاہت کا ذکر ہے اور یہ وعید بھی بے علم قیاس کیساتھ مقید ہے، اس سے بھی قیاس کے سلسلے میں جمہور کے مسلک پر کوئی آنچ نہیں آتی۔

چوتھی حدیث میں ایسے شخص کے بارے میں ایک زبردست تنبیہ ووعید موجود ہے جو بغیر کسی دلیل شرعی کے مسئلہ بتلائے یہاں بھی قیاس بالعلم کی کہیں مذمت وحقارت نہیں بلکہ مفہوم مخالف یہ نکلتا ہے کہ قیاس بالنسبت جائز ہے۔

(ب)۔ فریضۃ عادلۃ

فریضہ عادلہ سے وہ تمام احکام مراد ہیں جو اصول واستخراج کی بنیاد پر قرآن وسنت سے ماخوذ ومستنبط ہوں اور پھر ان کی حقانیت پر علماء امت کا اجماع بھی ہوگیا ہو بے اصل جہلاء کے قیاس اور ان کی محض رائے زنی کے تحت قائم ہونے والی آراء پر فریضہ عادلہ کا اطلاق نہیں ہوگا کیوں کہ فریضہ عادلہ قرآن وسنت میں رسوخ ہوجانے کے بعد علم کی سب سے آخری منزل ہے جب کہ جہلاء قرآن وسنت سے تہی دامن اور اس کے ذوق ومزاج سے ناآشنا ہیں تو پھر مسائل فقہیہ میں انکی رائے اور قیاس کا کیونکر اعتبار واعتماد ہوگا۔

نیز ایسا ہی قیاس قابل قبول ہوگا جو فریضہ عادلہ کے زمرہ میں آتا ہو اور اس کی بنیاد ملتزمہ شریعت ہی ہوں اور اس اصول سے ہٹ کر اور اس زمرے سے بچ کر جو قیاس ہوگا وہ قابل اجتناب اور مردود ہوگا۔

لم یزل امر بنی اسرائیل معتدلا

بنی اسرائیل جب تک دین وشریعت کے سلسلہ میں علماء حق کے تابع وپیرو رہے اور جبتک

ان کی باگ ڈور علماء کے ہاتھوں میں رہی وہ اعتدال اور میانہ روی کیساتھ دین پر قائم و دائم رہے اور ان کی پایۂ استقلال میں کسی طرح کی لغزش پیدا نہیں ہوئی لیکن جب آوارہ فاحشہ عورتوں سے انھوں نے نسل کشی کی اور ان سے نئی نسل کی بنیاد پڑی تو یہیں سے ان میں سے بگاڑ و فساد کا آغاز ہوا کیونکہ ان طوائف عورتوں کے جو جو اثرات رونما ہونے تھے وہ ہو کر رہے اور ان کے زہریلے جراثیم اور ضرر رساں عنصر پورے طور سے ان کی نسلوں اور معاشرہ کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئے اور ان کی نحوست سے جہاں علوم و معارف اخلاص و عمل اور انوار برکات رخصت ہوئے وہیں رائے زنی قیاس بلا دلیل اور جہلاء کی فاسد آراء اور اوہام باطلہ نے پورے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ان کے نام و نہاد علماء نے قیاس و رائے زنی کا وہ بازار گرم کیا کہ اس کے دبیز پردوں میں شریعت و امور دین چھپ کر رہ گئے۔

امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ اس ترجمۃ الباب کے تحت اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد اس طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ امت مسلمہ کو بنی اسرائیل کی تباہی و بربادی سے درس عبرت لینا چاہیئے اور بنی اسرائیل کی طرح ہر منصوص و غیر منصوص مسائل میں رائے زنی سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ جس قوم میں بھی رائے زنی اختراع ذہنی حقیقی شریعت سے بے رخی اور بتقاضائے نفس مسائل گھڑنے کا دروازہ کھل جائے تو نہ صرف اس کا آسمانی تعلق منقطع ہو جاتا ہے بلکہ فتنہ و فساد جنگ و جدل اور تباہی و بربادی اس کا مقدر بن جاتی ہے اور غیبی طور پر اس قوم سے حکمت و معرفت کو سلب کر لیا جاتا ہے اور انوار الٰہی و برکات سماوی سے محروم و مایوس کر دیا جاتا ہے کیونکہ رائے اور قیاس کی بے پناہ کثرت کے موقع پر اصل شریعت پر عمل کرنا تقریباً ناممکن ہے۔

من افتی غیر ثبت
یعنی جس نے بغیر کسی دلیل نقلی اور ثبوت شرعی کسی دینی مسئلہ میں محض اپنی رائے اور بے اصل قیاس کی بنیاد پر فتویٰ دیا تو اس کا اور اس پر عامل تمام انسانوں کا گناہ انہی نام و نہاد مفتی پر ہوگا کیونکہ جب مسائل کے استخراج اور اجتہاد کی صلاحیتوں ولیاقتوں سے وہ محروم ہے اور شریعت کے مبادیات و اصول اور اس کی باریک بینیوں سے قطعاً ناواقف ہے تو اسکو استخراج مسائل اور استنباط و اجتہاد کا کوئی حق نہیں پہونچتا اور ایسا اجتہاد محض رائے زنی دین کی شان میں گستاخی اور ایک قسم کی جسارت ہے جو سراسر باطل ناجائز اور غیر مقبول ہے اور اس سے بالکلیہ احتراز و اجتناب لازم ہے۔

سوال ۲۲:۔ عن عبد اللّٰہ بن عمرؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم العلم ثلاثۃ فما وراء ذلک فہو فضل آیۃ محکمۃ او سنۃ قائمۃ

او فریضة عادلة۔

(الف) علوم کی انواع بہت ہیں پھر حدیث میں تین کی تحدید کیوں فرمائی گئی؟

(ب) ترجمۃ الباب "باب اجتناب الرای والقیاس" سے حدیث کی کیا مناسبت ہے؟

(ج) خط کشیدہ الفاظ کی تشریح کیجئے۔

جواب سوال ۳۲:- (الف) حدیث باب میں جو تین کی تحدید فرمائی گئی اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

"هذا ضبط وتحديد لما يجب عليهم بالكفاية"[1]

یعنی فرض واجب کفائی کی تحدید مراد ہے۔

علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث باب میں وہ علوم مراد ہیں جو انسان کو اخروی فلاح دلادیں تو وہ صرف یہ تین ہی ہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث باب میں علوم ومعارف کے منابع ومشارب کی تحدید کی گئی ہو کہ اصل الاصول علم تو صرف تین ہی ہیں باقی علوم کی متعدد ومختلف انواع انھیں تین علوم کی فروع اور انھیں کے ذیل میں آنیوالی متعدد شاخیں ہیں۔

(ب) حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے یہ حدیث "باب اجتناب الرای والقیاس" کے تحت ذکر کی ہے حدیث اور ترجمۃ الباب میں مطابقت یہ ہے کہ ان تین علوم کے علاوہ باقی سب زائد از ضرورت اور فضول کی قبیل سے ہیں جو نہ دین میں داخل ہیں اور نہ دینی امور میں ان کی کوئی ضرورت ہے تو ایسے غیر ضروری مسائل میں رائے زنی اور بے اصل قیاس سے اجتناب ضروری ہے جن میں دینی نقطۂ نظر سے کوئی افادیت اور کوئی منفعت نہ ہو اور ایسے ہی علم کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللهم انى اعوذبك من علم لا ينفع" نیز ابوداؤد کی ایک روایت میں حضرت معاویہ رضؓ فرماتے ہیں کہ "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الاغلوطات" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے تمام امور سے منع فرمایا کرتے تھے جو سائل مسئول اور عام انسانوں کو پریشان کرنے کے ساتھ ساتھ دین میں کھود کرید اور رائے زنی کا دروازہ کھولتے ہوں کیونکہ یہی تجسس آگے چل کر رائے زنی اور گمراہ قیاس کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور بہت سی گمراہیوں اور بد اعتقادیوں کو جنم دیتا ہے اس لئے ایسے تمام امور قابل اجتناب ہیں تو حدیث میں وارد "فما وراء ذلك فهو فضل" ہی ترجمۃ الباب ہے نیز "فريضة عادلة" سے بھی ترجمۃ الباب ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس ترجمہ میں یہ روایت ذکر کر کے امام ابن ماجہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ دین میں صرف وہ ہی قیاس

---

[1] دیکھئے حجۃ اللہ البالغہ مصنفہ شاہ ولی اللہ رحؒ جلد اول "

معتبر ہے جو معدول من الکتاب والسنہ ہو اور اس پر فریضہ عادلہ کا اطلاق ہوتا ہو اور اس کے علاوہ تمام آراء اور قیاس قابل اجتناب واحتراز ہے۔

(ج) آیۃ محکمۃ

آیت محکمہ کے تحت علماء کی مختلف تعبیرات ہیں جو ذیل میں بعینہٖ نقل کی جاتی ہیں:۔

محشی شرح السنہ فرماتے ہیں:۔

"والآیۃ المحکمۃ ھی کتاب اللہ واشترط فیھا الاحکام لان من الآی ما ھو منسوخ لایعمل بہ وانما یعمل بناسخہ"[۱]

ملا علی قاری رحؒ آیت محکمہ کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"ای غیر منسوخۃ اومالا یحتمل الا تاویلاً واحداً"[۲]

حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے اس ٹکڑے سے حکم مستنبط کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"یجب معرفۃ القرآن لفظاً ومعرفۃ محکمہ بالبحث عن شرح غریبہ و اسبابہ نزولہ وتوجیہ معضلہ وناسخہ ومنسوخہ"[۳]

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انھیں مذکورہ توجیہ کو اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے:۔

"المراد بہ کتاب اللہ تعالیٰ وباحکامھا ثبوتھا وان لاتکون منسوخۃ"[۴]

آیت محکمہ کے بارے میں تمام علماء ہی مذکورہ اقوال پر متفق ہیں جن میں صرف کتاب اللہ ہی مراد ہے۔

سنۃ قائمۃ

اس کی تفسیر میں ملا علی قاری فرماتے ہیں:۔

"ای ثابتۃ صحیحۃ منقولۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معمول بھا اولتنوع"[۵]

حضرت شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:۔[۶]

"والسنۃ القائمۃ ما ثبت فی العبادات والارتفاقات من الشرائع والسنن مما یشتمل علیہ علم الفقہ والقائمۃ مالم ینسخ ولم یھجر ولم یشذ راویہ وجری علیہ جمھور الصحابۃ والتابعین"

اسی کی تفسیر میں محشی شرح السنہ فرماتے ہیں:۔

۱؎ دیکھئے شرح السنہ جلد اول صفحہ ۲۹۱ ۲؎ مرقاۃ جلد اول صفحہ ۲۴۵ ۳؎ التعلیق الصبیح جلد اول صفحہ ۱۶۱
۴؎ بذل المجہود جلد رابع صفحہ ۱۰۱ ۵؎ مرقاۃ جلد اول صفحہ ۲۴۵ ۶؎ حجۃ اللہ البالغہ اول صفحہ ۱۲۸۔

"هی الثابتة مما جاء عن النبی صلی اللہ علیه وسلم من السنن المرویة"[1]

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رح اس کی تفسیر ذرا دوسرے انداز سے فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ای ثابتة اسنادا بان تکون صحیح النسبة الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم"[2]

مذکورہ بالا تمام اقوال کو حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے محض چند الفاظ میں سمیٹتے ہوئے فرمایا:۔

"فہی الثابتة المعمول بہا"[3]

مذکورہ بالا اقوال سے سنت قائمہ کے تین معنی کی وضاحت ہوئی ایک یہ کہ سنداً صحیح ہوں محکم ہوں منسوخ نہ ہوں یا پھر دائم العمل ہوں دلائل کی روشنی میں پہلے دو قول زیادہ راجح ہیں۔

فریضة عادلة

فریضہ عادلہ کے تحت حضرت شاہ ولی اللہ رقم طراز ہیں:۔

"والفریضة العادلة الانصباء للورثة ویلحق به ابواب القضاء مما سبیله قطع المنازعة بین المسلمین بالعدل"[4]

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رح اس ذیل میں دو قول نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:[5]

۱۔ "احدها ان یکون من العدل فی القسمة فیکون عبارة عن السہام والانصباء المذکورة فی الکتاب والسنة"

۲۔ دوسرا قول:۔

"والاخر ان یکون هذه الفریضة تعدل مما اخذ من الکتاب اذا کانت فی معنی ما اخذ منهما نصا"

ملا علی قاری اس ذیل میں تین اقوال نقل فرماتے ہیں:[6]

۱۔ قیل المراد بہا الحکم المستنبط من الکتاب والسنة بالقیاس لمعادلته الحکم المنصوص فیهما ومساواته لهما فی وجوب العمل وکونه صدقا وصوابا۔

۲۔ وقیل فریضة معدلة بالکتاب والسنة ای مزکاة بهما۔

۳۔ وقیل الفریضة العادلة ما اتفق علیه المسلمون۔

یہ تیسرا قول عبداللہ بن عروہ سے منقول ہے۔

حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی شاہ ولی اللہ اور مولانا سہارنپوری کے پہلے قول پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر فریضہ عادلہ سے سہام مقررہ کو مراد لیا جائے تو اس کے

---

[1] شرح السنۃ اول ص۲۹۱ [2] بذل المجہود جلد رابع ص۱۰۲ [3] التعلیق الصبیح جلد اول ص۱۵۸ [4] حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص۱۴۲ [5] بذل المجہود جلد رابع ص۱۰۲ [6] مرقاۃ اول ص۲۴۵۔

الگ ذکر کرنے میں کوئی تخصیص نہ رہے گی کیونکہ سہام تو سب قرآن وحدیث میں مذکور ہیں اسلئے وہ آیت محکمہ اور سنت قائمہ کے تحت آجائیں گے لہٰذا صحیح یہی ہے۔

"الفریضة العادلة هی الحکومة المقدرة المعدلة بالکتاب والسنة و هی المستنبطة بالقیاس"

لہٰذا مولانا کاندھلوی کا قول ہی زیادہ راجح ہے۔[1]

سوال: ۲۳ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَلَّصَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَمِنُوْا فَمَا مُجَادَلَةُ اَحَدِکُمْ لِصَاحِبِهٖ فِی الْحَقِّ یَکُوْنُ لَهٗ فِی الدُّنْیَا اَشَدَّ مُجَادَلَةً مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لِرَبِّهِمْ فِیْ اِخْوَانِهِمُ الَّذِیْنَ اُدْخِلُوا النَّارَ قَالَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اِخْوَانُنَا کَانُوْا یُصَلُّوْنَ مَعَنَا وَیَصُوْمُوْنَ مَعَنَا وَیَحُجُّوْنَ مَعَنَا فَاَدْخَلْتَهُمُ النَّارَ فَیَقُوْلُ اِذْهَبُوْا فَاَخْرِجُوْا مَنْ عَرَفْتُمْ مِّنْهُمْ فَیَاْتُوْنَهُمْ فَیَعْرِفُوْنَهُمْ بِصُوَرِهِمْ لَا تَاْکُلُ النَّارُ صُوَرَهُمْ فَمِنْهُمْ مَنْ اَخَذَتْهُ النَّارُ اِلٰی اَنْصَافِ سَاقَیْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ اَخَذَتْهُ اِلٰی کَعْبَیْهِ اِلٰی آخِرِ الْحَدِیْث۔

(الف) اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب) مومن اپنے پروردگار سے کیسے جھگڑے گا وضاحت کیجئے۔

(ج) کیا نجات کیلئے نفس ایمان کافی ہے اہل سنت ودیگر فرقوں کے مذاہب قلمبند کیجئے۔

جواب سوال ۲۳:۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا روایت ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابوسعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ (حساب وکتاب کے بعد) مومنین کو نجات دیں گے اور وہ (تمام شدتوں اور سختیوں سے) مامون ومحفوظ ہوجائیں گے تو (انکا اللہ تعالیٰ سے اتنا سخت مجادلہ ومنازعہ ہوگا کہ) دنیا میں تم آپس میں بھی کسی حق پر اتنا نہ جھگڑے ہوگے جتنا کہ (اس روز) مومنین اپنے دوزخی بھائیوں کے بارے میں اللہ سے جھگڑیں گے مومنین (حجت پیش کرتے ہوئے) کہیں گے کہ اے خداوند قدوس تو نے ہمارے ان بھائیوں کو (آخر کس جرم کی پاداش میں) دوزخ میں ڈال دیا جو ہمارے ساتھ ہی نماز پڑھتے روزہ رکھتے اور حج کرتے تھے (ان اعمال صالحہ کی بناء پر ہم تو تیرے فضل سے جنتی بن گئے لیکن یہ کیوں دوزخ میں ڈال دیئے گئے جبکہ اعمال میں ہم دونوں مساوی ہیں) تو اللہ تعالیٰ ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے) فرمائیں گے (اچھا) جاؤ (اپنے ان تمام بھائیوں کو بھی) دوزخ سے نکال لو جن کو تم (مومن سمجھتے اور) پہچانتے ہو پس وہ خوشی خوشی آئیں گے اور ان کی (ایمانی) صورتوں سے انھیں پہچان لیں گے کیونکہ

(ان کے ایمان کی وجہ سے) آگ نے ان کے چہروں کو (کوئی) نقصان نہ پہونچایا ہوگا تو ان میں کچھ (تو) ایسے ہوں گے جن کی صرف آدھی پنڈلیوں تک ہی آگ (اثر انداز) ہوگی اور کچھ کو ٹخنوں تک جلا چکی ہوگی الیٰ آخر الحدیث۔

(ب) حدیث باب میں مجادلہ سے مراد یہ نہیں کہ مومنین حقیقتاً اس روز خداوند قدوس سے محاربہ ومنازعہ کرنے لگیں گے بلکہ یہاں مجادلہ ضد التجاء اور بہیم اصرار کے معنی میں واقع ہوا ہے کیونکہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بخاری و مسلم کی روایت میں مناشدہ کے الفاظ آئے ہیں جن کے معنی عموماً توجہ دلانا اور مطالبہ کرنے ہی کے آتے ہیں۔

تو قیامت میں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت وشفقت کا ظہور اس طرح ہوگا کہ مومنین اپنے بھائیوں کے بارے میں خداوند قدوس سے جھگڑا کریں گے اور ان کے دخول جنت اور خلاص جہنم کا اصرار اور التجاء کریں گے اور یہ اصرار والتجاء ایک قسم کے جھگڑے ہی کی شکل ہوگی جس طرح کہ بچہ اپنے والدین سے منازعہ ومجادلہ کرتا ہے تو وہ اس کو نہ صرف کہ کچھ کہتے نہیں بلکہ اس کی ان بچکانہ اداؤں سے محظوظ ہوتے ہیں اسی طرح رب جلیل بھی بندوں کے اس طفلانہ اصرار وضد اور ان کے باہم اخوت ومحبت کے مظاہرے پر نہ صرف یہ کہ غضبناک نہیں ہوں گے بلکہ خوش ہوں گے اور ان کی اس درخواست کو قبول فرمائیں گے اور تمام عاصی مسلمانوں کو جہنم سے خلاصی نصیب فرمائیں گے۔

نیز یہ امر بھی واضح رہے کہ چھوٹے کا بڑے سے جھگڑنا اور اس سے کسی کے بارے میں ضد و اصرار کرنا چھوٹے کی جرأت طاقت کی نہیں بلکہ اس کی محبوبیت اور بڑے کی کمال رحمت و شفقت کی دلیل ہے۔

(ج) فرق باطلہ میں مرجیہ کرامیہ اور جہمیہ کا یہ مذہب ہے کہ نجات کیلئے محض ایمان علم ومعرفت اور تصدیق ہی کافی ہے اعمال صالحہ نہ تو شرط ہیں اور نہ ہی نجات کیلئے ضروری ہیں۔

ان حضرات کی دلیلیں درج ذیل ہیں:۔

۱۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامن احد یشھد ان لا الہ الا اللہ و ان محمداً رسول اللہ صدقامن قلبہ الاحرمہ اللہ علی النار (بخاری ومسلم)

۲۔ من شھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ وان محمداً عبدہ ورسولہ وان عیسی عبداللہ ورسولہ وان عیسیٰ عبد اللہ ورسولہ وابن امتہ وکلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ والجنۃ والنار حق ادخلہ اللہ الجنۃ علی ماکان من العمل (بخاری ومسلم)۔

۳۔ ما من عبد قال لا اله الا الله ثم مات على ذلك الا دخل الجنة قلت وان زنى وان سرق قال وان زنى وان سرق ثلثاً (بخاری ومسلم

۴۔ عن عبادة بن صامت سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من شهد ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله حرمه الله عليه النار (مسلم۔

۵۔ عن جابر رض قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من مات يشرك بالله شيأ دخل النار ومن مات لا يشرك بالله شيئاً دخل الجنة (مسلم)

۶۔ من مات وهو يعلم انه لا اله الا الله دخل الجنة (مسلم)۔

اہل سنت والجماعت کے نزدیک ادائل وہلہ میں نجات کیلئے اعمال صالحہ ضروری ہیں اور ان کے بغیر اوائل وہلہ میں محض ایمان کی بنیاد پر نجات نہ ہو سکے گی جب کہ نجات عن الخلود کیلئے صرف ایمان وتصدیق ہی کافی ہے۔ حضرت مولانا ریاست علی صاحب چند روایات نقل کرنے کے بعد اسی مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہیں:۔

معلوم ہوا کہ نجات عن الخلود کیلئے صرف تصدیق بھی کافی ہے ہاں اگر اول نجات کی طلب ہے تو اس کیلئے اعمال کی بھی ضرورت ہو گی کیونکہ نجات عن الخلود کے لئے تو تصدیق کا دھندلا سا نقش بھی کافی ہے۔ جب قیامت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سفارش کی اجازت دی جائے گی تو ارشاد ہو گا جس کے قلب میں جو کے برابر ایمان ہے اسے نکال لو جس کے دل میں گیہوں کے برابر ایمان ہے اسے نکال لو تا آنکہ جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو اسے نکال لو چنانچہ ان تمام لوگوں کو نکالنے کے بعد اعلان ہو جائے گا اب ان لوگوں میں کوئی بھی ایسا نہیں جو جنت میں آنے کا مستحق ہو اس کے بعد حق جل مجدہ فرمائیں گے اب ہمارا نمبر ہے اور خداوند قدوس ان لوگوں کو نکال لیں گے جن کے پاس تصدیق تو تھی مگر عمل کی روشنی بالکل نہ تھی یہ لوگ اپنے پاس تصدیق کا اتنا دھندلا نقش رکھتے تھے جس کو پیغمبر علیہ السلام کی نگاہ بھی نہ دیکھ سکی اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کا ایک وہ بھی درجہ ہے جو صرف منجی عن النار ہے۔[۱]

اہل سنت والجماعت ان حضرات کی تمام دلیلوں کو دوسری دلیلوں کی روشنی میں جانچنے اور پرکھنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچے کہ درج بالا تمام احادیث میں خلود فی النار کی نفی ہے اوائل وہلہ میں دخول جنت کی ضمانت نہیں لہٰذا ان کا استدلال درست نہیں۔

سوال نمبر ۲۴:۔ عن جندب قال كنا مع النبی صلى الله عليه وسلم ونحن فتيان

حزاورۃ فتعلمنا الایمان قبل أن نتعلم القرآن ثم تعلمنا القرآن فازددنا بہ ایماناً۔

(الف) حدیث شریف کا مطلب خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب) ایمان کے سلسلے میں متعدد مذاہب مع دلائل نقل کرنے کے بعد بتائیں کہ ایمان کمی زیادتی کو قبول کرتا ہے یا نہیں؟

(ج) اگر "لا یزید ولا ینقص" کو حنفیہ کا مذہب تسلیم کر لیا جائے تو بتائیے کہ حضرات حنفیہ اس حدیث کا کیا جواب دیں گے؟

(د) ایمان واسلام کے فرق کی وضاحت کیجئے۔

جواب سوال نمبر ۲۴:۔

(الف) حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نوعمری اور عنفوان شباب ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (آپ کے تعلیمی حلقوں میں شریک رہتے) تھے تو اس دوران) ہم نے قرآن سیکھنے سے پہلے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے) ایمان سیکھا پھر (جب) ہم نے قرآن سیکھا تو اس سے (ہمارے) ایمان میں (مزید) اضافہ ہوا۔

(ب) ایمان کے سلسلے میں ذیل میں متعدد و مختلف مذاہب نقل کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ فرقہ مرجیہ کے نزدیک ایمان بسیط ہے اور وہ محض تصدیق قلبی ہے اسلئے بندے میں حقیقت بسیطہ موجود ہونے کی وجہ سے اب ایمان کیلئے اقرار باللسان کی بھی شرط نہیں اور ان حضرات کے نزدیک اعمال صالحہ کی افادیت اور اعمال سیئہ کی مضرت بھی کوئی حقیقت نہیں بلکہ محض تصدیق کی حالت میں بھی بندہ ان تمام وعدوں اور بشارتوں کا مستحق و مخاطب ہے جو قرآن وحدیث میں مومنین کے بارے میں وارد ہوئی ہیں "وان زنی وان سرق" جیسی تمام احادیث ان لوگوں کی دلیل ہیں۔

۲۔ دوسرے فرقہ کرامیہ کے بارے میں علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "فلہم زعموا ان الاقرار باللسان یکفی للنجاۃ" یعنی ایمان محض اقرار باللسان کا نام ہے چاہے یہ اقرار تصدیق قلبی کیساتھ ہو یا اس کے بغیر ہو دونوں صورتوں میں کامل مومن قرار دیا جائے گا "من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ" جیسی تمام احادیث سے یہ استدلال کرتے ہیں جن میں محض اقرار کی صراحت ہے اور معرفت وتصدیق کا کوئی تذکرہ نہیں۔

۳۔ فرقہ جہمیہ اس بات کا قائل ہے کہ ایمان محض علم ومعرفت ہے اور تصدیق واقرار کی کوئی ضرورت نہیں اذا کان العلم والمعرفۃ فی قلوبہ فہو مومن کامل الایمان۔ من مات

وھو یعلم انہ لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ وغیرہ یہ بطور استدلال پیش کرتے ہیں۔

۴۔ خوارج اور بعض معتزلہ کے نزدیک ایمان تصدیق قلبی اقرار باللسان اور عمل بالجوارح سے مرکب ہے لہٰذا ان تینوں میں کسی ایک کا بھی تارک ان کے نزدیک کافر ہے اور مرتکب کبائر بھی کافر و مرتد کے حکم میں ہے "لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن" وغیرہ ان حضرات کی دلیلیں ہیں۔

۵۔ معتزلہ کی اکثریت بھی ایمان کو تصدیق قلبی اقرار باللسان اور عمل بالارکان سے مرکب مانتی ہے لیکن مرتکب کبائر اور ان امور ثلٰثہ کے تارک کو وہ اسلام سے تو خارج مانتے ہیں مگر کفر میں داخل نہیں کرتے کیونکہ توحید موجود ہے بلکہ وہ اسلام اور کفر کے درمیان ایک درجہ و منزل کے قائل ہیں لہٰذا ایسے تارکین و مرتکب کبائر کو وہ اسی درجہ کی فہرست میں شمار کرتے ہیں۔

۶۔ مذکورہ مذاہب میں کچھ تو افراط پر اڑے ہوئے ہیں اور کچھ تفریط کا شکار ہیں اور دونوں ہی گمراہیوں کی وادیوں میں بھٹک رہے ہیں اسلئے صحیح مذہب اہل سنت والجماعت کا ہے ان حضرات میں بھی دو فریق ہیں:۔

۱۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جمہور فقہاء اور بعض متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ ایمان بسیط ہے اور وہ تصدیق قلبی ہے لیکن اقرار باللسان اس کیلئے شرط ہے اور اعمال بالجوارح مکمل ایمان ہیں اس کے اجزاء نہیں اور تارک اعمال نیز مرتکب کبیرہ فاسق ہے کافر نہیں۔

۲۔ حضرات شوافع فقہاء، محدثین اور جمہور امت اس طرف گئے ہیں کہ ایمان تصدیق قلبی اقرار باللسان اور اعمال بالجوارح سے مرکب ہے اور ان امور ثلٰثہ کا تارک فاسق ہے کافر نہیں۔ "بنی الاسلام علیٰ خمس الخ" اور "الایمان بضع وثلاثون شعبۃ" وغیرہ جمہور امت کی دلیلیں ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں فرق حق کے مذہب کا جائزہ لیتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فریقوں میں بالکل تضاد ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت کے درمیان جو بسیط و مرکب ہونے میں اختلاف ہے یہ صرف لفظی ہے اور تعبیرات کا فرق ہے وہ حضرات کہتے ہیں کہ ایمان اس وجہ سے مرکب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "بنی الاسلام علیٰ خمس الخ" اور "الایمان بضع وثلاثون شعبۃ الخ" وغیرہ وغیرہ اور

حضرت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں یہ سب ایمان کے مکملات ہیں اختلاف لفظی ہونیکا مطلب یہ ہے کہ احناف یہ نہیں کہتے کہ تارک اعمال سیدھا جنت میں جائیگا جیسا کہ مرجیہ کا عقیدہ ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ وہ جہنم میں جائیگا پھر اس کے بعد اس کو نجات ملے گی اور حضرات محدثین وشافعیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ تارک اعمال جہنم میں جائیگا مگر مخلد فی النار نہیں ہوگا تو دونوں کے قول کا مآل ایک ہی نکلا[ل]

جب دونوں کا مقصد و مذہب یکساں ہے اور محض تعبیرات الفاظ کا فرق ہے تو پھر دونوں نے ایک ہی تعبیر استعمال کیوں نہیں کی تاکہ ان حضرات پر اعتزال اور ہم پر ارجاء کا الزام عائد نہ ہوتا اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"ان اہل حق کا مقابلہ ہر دور میں فرق باطلہ سے رہا ہے اور ان حضرات نے ہمیشہ زمانہ کی مصلحتوں کی رعایت کرتے ہوئے ان کا رد کیا ہے چنانچہ امام اعظمؒ کے دور میں معتزلہ کا اثر تھا انتہا یہ کہ حکومت کا مسلک بھی اعتزال تھا امام اعظمؒ نے تقاضائے عصر کے اعتبار سے معتزلہ کی پوری مخالفت معتزلہ نے اعمال کو جزء ایمان بنایا تو امام نے انھیں ایمان ہی سے خارج کر دیا اور جب امام شافعی علیہ الرحمہ کا دور آیا تو کرامیہ سے مقابلہ تھا اسلئے امام شافعی نے فرمایا تم اعمال کو ایمان سے بالکل بے تعلق بتلاتے ہو میں کہتا ہوں کہ اعمال داخل ایمان ہیں اور اگر اعمال نہ ہوں تو ایمان خطرے میں آجاتا ہے[ع]"

حضرات محدثین اور جمہور امت ایمان میں کمی زیادتی کے قائل ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں درج ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے:۔

(۱) واذا تلیت علیہم آیاتہ زادتہم ایماناً۔ (۲) فزادہم ایماناً۔ (۳) فمنہم من یقول ایکم زادتہ ہذہ ایماناً۔ (۴) فاما الذین آمنوا فزادتہم ایماناً (۵) ویزداد الذین آمنوا ایماناً (۶) ولیزدادوا ایماناً مع ایمانہم۔ (۷) وما زادہم الا ایماناً وتسلیماً۔

حضرات حنفیہ کے نزدیک ایمان کمی زیادتی کو قبول نہیں کرتا یہی قول امام ابو حنیفہؒ کیجانب منسوب ومشہور ہے لیکن صاحب ایضاح البخاری اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اصل تو یہ ہے کہ امام اعظم علیہ الرحمہ سے "لا یزید ولا ینقص" کا ثبوت ہی دشوار ہے کیونکہ جن تصانیف پر اعتماد کر کے اس قول کی نسبت امام علیہ الرحمہ کی طرف کر دی گئی تحقیق کی روشنی میں امامؒ کی جانب غلط ہیں مثلاً فقہ اکبر امامؒ کیطرف منسوب ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ امام کے تلمیذ ابو مطیع بلخی کی تصنیف ہے جو فقہاء کی نظر میں بلند مرتبہ تھے لیکن محدثین کی نگاہ میں کمزور ہے اسی طرح العالم والمتعلم الوصیہ اور دو اسطین امام اعظمؒ کی طرف منسوب ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ امام رحمۃ اللہ علیہ تک ان کی نسبت کی صحت میں کلام ہے[ع]"

علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ نے بھی فیض الباری میں یہی تصریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس

لہ دیکھئے تقریر بخاری جلد اول ص۱۰۰ ایمان کی مزید تشریح کیلئے دیکھئے حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص۱۶۲ روح المعانی جلد اول ص۹۵-۹۶ الکوکب الدری جلد ثانی ص۱۱ کا حاشیہ نمبر۵ ترجمان السنہ جلد اول ص۲۴۹ انوار الباری جلد دوم ص۱۳ تقریر بخاری جلد ۲ اول ص۹۹ ایضاح البخاری جلد ثانی ص۱۳ درس بخاری جلد اول ص۱۱ مرقاۃ المفاتیح جلد اول ص۲۳ تحفۃ الاحوذی جلد ثالث ص۳۵ التعلیق

وضاحت کی روشنی میں قریب تھا کہ میں "الایمان لا یزید ولا ینقص" کی امام کی طرف نسبت کا صاف انکار کر دیتا مگر بروقت مجھے ابوعمر و مالکی کی شرح مؤطا دیں یہ تصریح ملی کہ انھوں نے بھی یہی بات کہی ہے اور اس قول کو امام اعظم کے استاذ حماد کی جانب منسوب کیا ہے لہٰذا صحیح بات یہی ہے کہ "لا یزید ولا ینقص" احناف کا ثابت شدہ مذہب ہے اور فی الحقیقت یہی مذہب صحیح ہے کیونکہ مولانا ساجد صاحب بستوی کے الفاظ میں "ایمان تو فی الاصل اللہ کیساتھ ایک عہد ہے اور عہد کسی قسم کی کمی زیادتی کا متحمل نہیں ہوتا۔"

(ج) حضرات حنفیہ کمی و زیادتی کے ایسے تمام دلائل اور حدیث باب کے متعدد جواب دیئے ہیں:۔

ایک جواب تو یہ ہے کہ گذشتہ آیات اور حدیث باب میں اصل ایمان کے اعتبار سے زیادتی و کمی مراد نہیں بلکہ کمال ایمان کے لحاظ سے زیادتی و نقص مراد ہے کیونکہ بقول علامہ سید انور شاہ کشمیری اور علامہ عثمانی کے کہ زیادتی و نقصان کے قائلین بھی خود کمال ایمان کی زیادتی و نقصان کے قائل ہیں۔

۲- دوسرا جواب فتح الملہم میں اس طرح دیا گیا ہے کہ درج بالا تمام دلائل میں نور ایمان کی کمی و زیادتی مراد ہے اصل ایمان کی نہیں اور اس نور کی شریعت میں بہت سی نظائر موجود ہیں مثلاً "افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ" تو آیت مذکورہ میں شرح صدر سے اعمال صالحہ کی توفیق دینا ہے اور ان اعمال صالحہ ہی سے نور ایمان کی شعاعیں اور کرنیں پھوٹتی ہیں جو حالات و زمانے اور بندوں کی کیفیات ایمانیہ کی بناء پر مدھم اور تیز ہوتی رہتی ہیں۔

۳- تیسرا جواب حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی نے حضرت شاہ ولی اللہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ جس طرح تصدیق الجنان بمالابد من تصدیقہ پر ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے جیساکہ حدیث جبریل "ان تومن باللہ الخ" میں کیا گیا اسی طرح حلاوت و بشاشت اور سکینت و طمانیت پر بھی ایمان کا اطلاق ہوتا ہے اور قرآن کریم میں اس کی مثالیں موجود ہیں جیساکہ "و انزل السکینۃ فی قلوب المومنین" اور "فانزل اللہ سکینتہ علی رسولہ و علی المومنین" وغیرہ لہٰذا درج بالا آیات اور حدیث باب میں اسی طریقہ پر ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے حقیقتاً نہیں۔

(د) "قالت الاعراب آمنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا" اور "ان کنتم آمنتم باللہ فعلیہ توکلوا ان کنتم مسلمین" نیز حدیث "ای الاعمال افضل فقال الاسلام فقال ای الاسلام افضل فقال الایمان" وغیرہ جیسی نصوص سے ایمان و اسلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۱) ... اس سلسلہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ایک مستقل رسالہ "الایمان" کے عنوان سے تصنیف کیا ہے جو ... چھپا ہے اس کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔ ؎ دیکھئے ایضاح البخاری جزء ثانی ص ۱۳۲ ؎ ایضاح البخاری جزء ثانی ص

فرق محسوس ہوتا ہے اسی بناء پر علماء نے دونوں کی الگ الگ تعریفات مروی ہیں۔
شیخ محی الدین ابن العربی فرماتے ہیں:۔
"الاسلام عمل والایمان تصدیق"[۱]
اسی کو مولانا ادریس کاندھلوی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔
"الایمان عبارۃ عن التصدیق بالقلب فقط والاسلام عبارۃ عن التسلیم بالقلب والعمل بالارکان"[۲]
حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ذرا دوسرے انداز سے ان دونوں کا فرق بیان کرتے ہیں:
"فالاسلام علی جارحہ لم یسر ذلک الی باطنہ والایمان فی قلبہ ولم یرق ھذا الی ظاھرہ"[۳]
حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایمان خاص ہے اور اسلام عام ہے تو اس صورت میں معنی یہ ہوئے کہ اسلام کے لب لباب اور ملاءِ ترین اجزاء کا نام ہی ایمان ہے۔
علامہ خطابی اور علامہ عینی کی بھی تقریباً یہی رائے ہے لیکن علامہ سید مرتضیٰ زبیدی نے شرح احیاء العلوم میں ایمان واسلام کے خصوص وعموم کی تردید کی ہے واللہ اعلم۔
اس سلسلے میں علامہ شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم میں فیصلہ کن انداز میں فرماتے ہیں:۔
"والحق ان الایمان عبارۃ عن التصدیق کقولہ تعالیٰ وما انت بمؤمن لنا ای بمصدق والاسلام عبارۃ من التسلیم و للتصدیق محل خاص وھو القلب واما التسلیم فانہ عام فی القلب واللسان والجوارح فکل تصدیق تسلیم ولیس کل تسلیم تصدیقا فیجب لغۃ ان الاسلام اعم والایمان اخص"۔
حقیقت یہ ہے کہ شیخ الاسلام نے بھی اس عبارت میں ایمان واسلام کے فرق کو بیان کرنے

---

[۱] دیکھئے التعلیق الصبیح جلد اول صفحہ ۱۳ - [۲] ایضاً صفحہ ۱۴ [۳] فیض الباری جلد اول صفحہ ۶۹

کیساتھ ساتھ ہماری مذکورہ تشریح اور علماء کرام کے تمام اقوال کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے اور اس زوردار فیصلہ کیساتھ اب مزید لب کشائی کی گنجائش نہیں چھوڑی۔

سوال ۲۵:۔ حدثنا سہل بن ابی سہل و محمد بن اسمٰعیل قالا حدثنا عبد السلام بن صالح ابو الصلت الھروی ثنا علی بن موسی الرضی عن ابیہ عن جعفر بن محمد عن ابیہ عن علی بن الحسین عن ابیہ عن علی بن ابی طالب رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الایمان معرفۃ بالقلب و قول باللسان و عمل بالارکان۔

(الف) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اشیاء ثلاثہ کے مجموعہ کا نام ہے قائلین بساطت ایمان اس حدیث کا کیا جواب دیتے ہیں اور اپنا مستدل کیا پیش کرتے ہیں؟

(ب) معرفت قلب اور تصدیق میں کیا فرق ہے وضاحت کیجئے۔

(ج) اس حدیث کی سند پر ائمہ حدیث نے جو کلام کیا ہے اس کو بھی تحریر فرمائیے۔

جواب سوال ۲۵:۔

(الف) قائلین بساطت ایمان حدیث باب کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ایمان کامل تین اشیاء سے ہوتا ہے یعنی محض ایمان تو تصدیق قلبی سے حاصل ہو جاتا ہے لیکن لاجراء الاحکام الدنیویہ اس کے ساتھ اقرار باللسان شرط ہے اور اعمال بالجوارح سے اس کی تکمیل ہوتی ہے حدیث باب میں تکمیل ایمان ہی مراد ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایمان اشیاء ثلاثہ سے مرکب ہے۔

قائلین بساطت ایمان کی دلیلیں درج ذیل ہیں:۔

۱- اولئک کتب فی قلوبھم الایمان ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم۔

۲- وقلبہ مطمئن بالایمان۔

۳- یخرج من النار من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من الایمان۔

۴- ھل شققت قلبہ

وجہ استدلال یہ ہےکہ اگر ایمان مرکب ہوتا تو محل ایمان قلب نہیں بلکہ یہ تمام اشیاء ثلاثہ ہوتیں جب کہ آیات اور حدیث میں صراحتاً ایمان کی نسبت قلب کی طرف کی گئی ہے جس سے ایمان کے بسیط ہونے کیطرف واضح اشارہ ہے۔

(ب) معرفت قلب اور تصدیق کا فرق بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"ولیس بتصدیق الا ان یکون اختیارا" او "معه تسلیم فلیس بعلم ولا معرفة یتعلق بالمغیبات[۵۱]"

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کو ذرا بسیط پیرائے میں بیان کرتے ہیں:۔

"فان کان حاصلاً بالقصد والاختیار بحیث یستلزم الاذعان والقبول فهو تصدیق لغوی وان لم یکن کذالک کمن وقع بصره علی شیٔ فعلم انه جدار مثلا فهو معرفة یقینیة ولیس بتصدیق لغوی[۵۲]"

یعنی معرفت قلب اور تصدیق میں فرق ہے کہ معرفت محض حق کو جاننے اور پہچاننے کا نام ہے اس کیلئے یہ ضروری نہیں کہ اس حق کی تصدیق بھی کیجائے جیسا کہ عہد رسالت کے یہود، ابوطالب اور ہرقل کو معرفت قلب حاصل تھی لیکن تصدیق سے وہ محروم رہے جب کہ تصدیق میں یہ ضروری ہے انسان حق کو پہچان کر اس کی تصدیق کرے اور اس کی حمایت میں سرگرم ہو جائے یہی عین ایمان ہے اور اسی کے متعلق علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایمان جان لینے کا نہیں بلکہ مان لینے کا نام ایمان ہے۔

(ج) اس حدیث کی سند پر حضرات محدثین اور ائمہ جرح و تعدیل نے زبردست کلام کیا ہے کیونکہ اس کے طبقہ رواۃ میں ایک راوی ابوالصلت عبدالسلام بن صالح موجود ہیں جن پر محدثین اعتماد کرنے کیلئے قطعاً تیار نہیں ہیں اب ہم ذیل میں ابوالصلت کا تعارف اور ان کے کردار کی وضاحت کیلئے محدثین کے متعدد اقوال نقل کر رہے ہیں:۔

۱۔ قال العقیلی (فی ابی الصلت) انه کذاب۔

۲۔ قال ابن الجوزی فی هذا الحدیث "موضوع وابو الصلت عبد السلام بن صالح متهم لایجوز الاحتجاج به"

۳۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے میزان الاعتدال میں ابوالصلت کے بارے میں امام دارقطنی

---

[۵۱] دیکھئے فیض الباری جلد اول صفحہ ۴۸ بدر الساری [۵۲] ملاحظہ ہو روح المعانی جلد اول صفحہ ۹۵ ۱۲۔

رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے" قال الدارقطنی (فی ابی الصلت) رافضی خبیث متھم بوضع حدیث" الایمان اقرار بالقول"۔

۴۔ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "تہذیب" میں امام دارقطنی کا قول ان الفاظ میں نقل کیا ہے "قال ابو الحسن (ای دارقطنی) وروی حدیث الایمان اقرار بالقول وھو متھم بوضعہ لم یحدث بہ الا من سرق منہ فھو الابتداء فی ھذا الحدیث"

۵۔ علامہ کمال الدین محمد بن موسیٰ دمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الدیباجہ فی شرح سنن ابن ماجہ" میں فرماتے ہیں (ھذا الحدیث) "موضوع"۔

۶۔ علامہ ابن رجب زبیری رح نے بھی اپنی شرح "شرح سنن ابن ماجہ" میں اس حدیث کے موضوع ہونے میں ابن جوزی سے اتفاق کیا ہے۔

۷۔ ان تمام آراء کے پیش نظر علامہ سندھی علیہ الرحمہ یہ فیصلہ فرماتے ہیں "اسناد ھذا الحدیث ضعیف لاتفاقھم علی ضعف ابی الصلت"

۸۔ اس کے برخلاف علامہ سیوطی علیہ الرحمہ کہتے ہیں "والحق انہ لیس بموضوع وابو الصلت وثقہ ابن معین رح وقال لیس ممن یکذب"

علامہ سیوطی رح نے جہاں اس حدیث کی صحت میں ابن معین کی توثیق کا سہارا لیا ہے وہیں تہذیب الکمال سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس میں اس حدیث کے بہت شواہد ومتابعات جمع کئے گئے ہیں۔

۹۔ ہمارے محترم استاذ حضرت مولانا ریاست علی صاحب استاذ حدیث دار العلوم دیوبند نے دوران درس اس حدیث پر بسیط کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ جو چاشنی حلاوت وفصاحت عموماً حدیث میں ہوتی ہے وہ اس میں بالکل نہیں ہے بلکہ یہ عبارت محدثین کے ذوق کے مطابق ایمان سے متعلق سلف کے عقیدہ کی تعبیر معلوم ہوتی ہے اسلئے ابو الصلت پر کی گئی بدترین جرح اور الفاظ روایت کے در وبست پر غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کرنا آسان ہے کہ روایت کا درجہ کیا ہوسکتا ہے؟

دور حاضر کے جلیل القدر محدث حضرت مولانا عبد الرشید صاحب نعمانی (پاکستان) اپنی کتاب "ماتمس الیہ الحاجہ لمن یطالع سنن ابن ماجہ" میں ان مذکورہ اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک بھی راجح قول امام دارقطنی ہی کا ہے کیونکہ حافظین (ابن حجر وذہبی) نے قول دارقطنی کو نقل کرنے کے بعد اس کی بالکل تردید نہیں کی۔

احقر کی سمجھ میں بھی یہ بات آتی ہے کہ ذہبی اور ابن حجر جیسے معتدل ناقدین کا اتنی سخت جرح کو

برداشت کر جانا اور تردید نہ کرنا اس کے موضوع ہونے اور ابوالصلت کے ناقابل اعتبار ہونے کی جانب ایک واضح اشارہ ہے۔

سوال ۲۶:۔ طاؤس یقول سمعت اباھریرۃ رض یخبر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال احتج آدم وموسیٰ فقال لہ موسیٰ یا آدم انت ابونا خیبتنا واخرجتنا من الجنۃ بذنبک فقال لہ آدم یا موسیٰ اصطفاک اللہ بکلامہ وخط لک التوراۃ بیدہ اتلومنی علی امر قدر اللہ علی قبل ان یخلقنی باربعین سنۃ فحج آدم موسیٰ الخ۔

(الف) اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب) کیا ارتکاب معصیت کے عذر میں تقدیر کا سہارا لینا درست ہے اگر نہیں تو آدم علیہ السلام نے کیوں لیا؟

(ج) آدم و موسیٰ ع کے زمانوں میں بون بعید پایا جاتا ہے پھر یہ مناظرہ کس طرح ہوا؟

جواب سوال ۲۶:۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت طاؤس رح فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رض کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے یہ خبر دیتے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (باذن خداوندی) حضرت آدم و موسیٰ ع نے (باہم) بحث و مناظرہ کیا تو موسیٰ ع نے (پہل کرتے ہوئے) کہا کہ اے آدم آپ (ہی) ہمارے (تمام انسانوں کے) باپ ہیں (تو اس ابوت کا آپ نے یہ صلہ دیا) کہ ہمیں خائب و خاسر کیا اور اپنے گناہ کی پاداش میں ہمیں جنت سے نکلوادیا آدم ع نے (فوراً جواب دیتے ہوئے) کہا اے موسیٰ (تم کو اللہ نے نبی بنایا اور) اپنی ہمکلامی کیلئے منتخب فرمایا (کلیم اللہ کے عظیم شرف سے نوازا) اور تمہاری (جانب نازل کی جانے والی) توراۃ کو اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا تو (ان تمام الہامی علوم اور معرفت قدر ہوتے بھی) تم مجھے اس پر ملامت کر رہے ہو جس کو اللہ نے میری پیدائش سے چالیس سال قبل ہی (میرا) مقدر فرمادیا تھا پس (اپنے اس معجزانہ جواب سے) آدم موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے "فحج آدم موسیٰ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا۔

(ب) ارتکاب معصیت کے عذر میں تقدیر کا سہارا لینا نہ صرف یہ کہ درست نہیں بلکہ بدترین گناہ ہے کیونکہ اگر تمام عاصی اور جرائم پیشہ لوگ اپنے آپ کو معصوم اور بے گناہ ثابت کرنے کیلئے تقدیر کا سہارا لینے لگیں اور اپنے تمام جرائم اور افعال سیئہ کو محض تقدیر کا نتیجہ قرار دیکر اکتساب کلی سے انکار کردیں تو قانون عالم کے ساتھ یہ بدترین مذاق ہوگا اور شریعت اسلامیہ کی حدود و

تعزیرات بالکل بے معنی ہوکر رہ جائیں گی۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ ارتکاب معصیت کے عذر میں تقدیر سے سہارا لینے کی دو قسمیں ہیں: [1]

۱۔ ایک تو یہ کہ معاصی پر جری ہونے اور اپنی شرمندگی مٹانے کیلئے اس فعل شنیع کو تقدیر سے منسوب کر دیا جائے اور اپنے آپکو تقدیر کے تابع بتا کر بے قصور ثابت کیا جائے تو یہ عظیم ترین گناہ ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ توبہ واستغفار اور ندامت کے باوجود قلب مطمئن نہ ہو تو مسئلہ تقدیر سے سہارا لے کر دل کو کچھ تسلی دے لی جائے تو یہ امر مستحسن ہے۔

اب آدم علیہ السلام پر ہونے والے اشکال کا جواب دیتے ہوئے علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں [2]

"اجیب بان الممنوع انما هو ما کان فی دار التکلیف وتلك المناظرة وقعت بعد الخروج عنه"

یعنی ارتکاب معصیت کے عذر میں تقدیر کا سہارا لینے کی ممانعت اس دار التکلیف میں ہے اور یہ مناظرہ دار التکلیف سے رحلت فرمانے کے بعد واقع ہوا لہٰذا عالم برزخ میں تقدیر کا سہارا لینے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ مولانا عبد الغنی مجددی علامہ نووی ملا علی قاری اور مولانا قاسم نانوتوی بانی دار العلوم سے بھی یہی جواب منقول ہے۔

احقر عرض گذار ہے کہ اس دار التکلیف میں رہتے ہوئے آدم علیہ السلام نے کبھی تقدیر کا سہارا نہیں لیا تھا بلکہ بلا پس وپیش اپنی لغزش کا اعتراف کرتے ہوئے رب جلیل کے حضور میں ہاتھ اٹھا دیئے تھے:۔

"ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین"

---

[1] دیکھئے فیض الباری جلد چہارم ص ۲۰۶ [2] ایضاً ص ۲۰۶۔ ۱۲

(ج) علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے "ارشاد الساری" میں اس مکالمہ کی متعدد صورتوں کا ذکر فرمایا ہے[1] ذیل میں ہم ان صورتوں کو مزید تشریح کیساتھ اپنے الفاظ میں نقل کرتے ہیں:۔

۱۔ علماء کی ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی دنیاوی زندگی میں رب جلیل نے آدم علیہ السلام کو زندہ فرمادیا یا محض ان کی روح کو دنیا میں بھیج دیا گیا اس طرح دونوں حضرات کی ملاقات ہوگئی۔
حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی روح کو منجذب کرکے اس عالم میں پہونچا دیا گیا ہو جہاں حضرت آدم علیہ السلام موجود تھے[2]۔

۲۔ بعض اہل علم کا یہ خیال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی دنیاوی زندگی میں حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کے تمام ظاہری و دنیاوی حجابات اٹھا دیئے گئے اور دونوں کو ملاقات کا موقع دیا گیا۔

۳۔ کچھ لوگ اس طرف گئے ہیں کہ ان دونوں بزرگوں نے یہ ملاقات بقدرۃ اللہ خواب ہی میں کرلی کیوں کہ انبیاء کا خواب وحی کے قائم مقام ہوتا ہے جب کہ بعض حضرات کی یہ تحقیق ہے کہ معراج کی رات کو یہ مکالمہ ہوا۔

۴۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مکالمہ اب تک واقع ہی نہ ہوا ہو اور عالم آخرت میں محشر میں وقوع پذیر ہو اور جہاں تک اس اعتراض کا سوال ہے کہ اس پورے واقعہ کو ماضی کے صیغوں کے ساتھ کیوں بیان کیا گیا جو زمانہ گذشتہ پر دلالت کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ صیغہ ماضی زمانہ گذشتہ پر ہی دلالت کرے بلکہ بسا اوقات وہ محقق اور وقوع پذیر امر پر یقین کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور استقبال کے معنی دیتا ہے جیسے "ونادی اصحٰب الجنۃ اصحٰب النار۔ وقال الشیطٰن لما قضی الامر قالوا لم نک من المصلین" وغیرہ۔
علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مسئلہ میں علامہ عینی کے ساتھ ہیں۔

۵۔ محدث کبیر علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد عالم برزخ میں یہ ملاقات روحانی طور پر ہوئی علامہ قابسی کی بھی یہی رائے ہے[3]۔

---

[1] دیکھئے قسطلانی جلد ہفتم صفحہ ۱۵۰ [2] تنظیم الاشتات جلد اول صفحہ ۱ [3] دیکھئے بخاری جلد ثانی صفحہ ۹۷۹ کا حاشیہ نمبر ۶۔

ملا علی قاری اس توجیہ کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عنہ دمھما کے الفاظ یہ بتا رہے ہیں کہ یہ مناظرہ عالم علوی میں روحانی ہی ہوا ہے۔[1]

احقر کی ناقص رائے بھی یہی ہے کہ مذکورہ بالا توجیہات کے باوزن ہونے کے ساتھ ساتھ ابن عبدالبر کی توجیہ زیادہ راجح قرین قیاس اور مؤید بالاحادیث ہے۔[2]

سوال ۲۷:۔ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ دُعِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى جَنَازَةِ غُلَامٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ طُوبَى لِهٰذَا عُصْفُورٌ مِنْ عَصَافِيرِ الْجَنَّةِ لَمْ يَعْمَلِ السُّوءَ وَلَمْ يُدْرِكْهُ وَقَالَ أَوْ غَيْرُ ذٰلِكَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ لِلْجَنَّةِ أَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ وَخَلَقَ لِلنَّارِ أَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ۔

(الف) اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجیے۔

(ب) مشرکین کے نابالغ بچوں کے سلسلے میں اہل سنت و دیگر فرقوں کے مذہب مدلل قلمبند کرتے ہوئے ان فرقوں کے دلائل کا مسکت جواب بھی تحریر فرمائیے۔

جواب سوال ۲۷:۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجیے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رض روایت کرتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک انصاری بچے کی نماز جنازہ پڑھانے کیلئے بلایا گیا تو (اس موقعہ پر) میں نے کہا اے اللہ کے رسول اس لڑکے کے لئے راحت وسکون کی بشارت ہے (اور وہ تو فی الحقیقت) جنت کی ایک چڑیا ہے (کیونکہ) اس نے (کوئی) برا عمل تو کیا ہی نہیں اور نہ (مکلف ہونیکا) زمانہ ہی پایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تنبیہ کرتے ہوئے) فرمایا عائشہ! کیا اس کے علاوہ (مزید بڑھکر

---

[1] مرقاۃ جلد اول صہ ۱۳۳ [2] اس حدیث کی مزید تشریح کیلئے دیکھیے التعلیق الصبیح للکاندھلوی جلد اول صہ ۷۷-۷۶ مرقاۃ المفاتیح للقاری جلد اول صہ ۱۳۳ بخاری شریف جلد ثانی صہ ۹۷۹ کا حاشیہ ۵ فیض الباری جلد چہارم صہ ۲۰۵ تا صہ ۲۰۶ ترجمان السنہ جلد سوم صہ ۷۷ شرح عقیدۃ الطحاویہ صہ ۷۹ تحفۃ الاحوذی جلد سوم صہ ۱۹۶-۱۹۵ کشف الحاجہ صہ ۱۲۷ فتح الباری جلد ہشتم صہ ۳۰۳ علامہ ابن قیم نے احتجاج آدم و موسیٰ پر بڑا بسیط کلام کیا ہے سیر حاصل بحث کیلئے دیکھیے کتاب شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمۃ والتعلیل لابن قیم صہ ۱۳ تا صہ ۱۹

کچھ کہو گی یا اسی پر بس کرتی ہو یعنی تمہیں بے سوچے سمجھے فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (حقیقت حال کی وضاحت کرتے ہوئے) کہا اللہ تعالیٰ نے ایک مخلوق کو جنت کیلئے پیدا فرمایا (اور ان کیلئے جنت اسی وقت مقرر کر دی گئی جب کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی پشت ہی میں تھے (اسی طرح) اللہ تعالیٰ نے جہنم کیلئے کچھ لوگوں کو پیدا فرمایا جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشت ہی میں تھے (اور انھوں نے کوئی نافرمانی و معصیت بھی نہیں کی تھی)۔

(ب) علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولاد مشرکین میں اصل الاصول تین مذاہب ہیں لے

۱۔ امت کا ایک طبقہ اس طرف گیا ہے کہ اطفال مشرکین کے بارے میں کچھ کہنا اور انھیں جنتی یا دوزخی قرار دینا قطعاً صحیح نہیں بلکہ اس مسئلہ میں توقف اور کف لسان کرنا چاہئیے کیونکہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذراری المشرکین کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے توقف کرتے ہوئے فرمایا "اللہ اعلم بما کانوا عاملین" ہے نیز حدیث باب کا جملہ "او غیر ذلک یا عائشۃ" بھی بظاہر توقف پر دلالت کر رہا ہے۔

بذل المجہود اور انوار المحمود میں صراحت ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مسئلہ میں توقف کے قائل ہیں۔

متوقفین کے دلائل کا جواب

امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اللہ اعلم بما کانوا عاملین" حضور ؐ کا اس وقت کا ارشاد ہے جب کہ اطفال مشرکین کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اب جبکہ انکے بہشتی ہونیکا حکم نازل ہو گیا تو یہ حدیث منسوخ ہو گئی اب اس سے توقف پر استدلال کرنا قطعاً درست نہیں ہے علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی جواب دیا ہے ہے حدیث باب "عصفور من عصافیر الجنۃ" کے بارے میں بھی امام تورپشتی ؒ نے کہا کہ یہ بھی اس وقت کا ارشاد ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت امر کا علم نہ تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اتنی سختی سے کیوں منع کیا اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے امام نووی ؒ فرماتے ہیں:۔

لے دیکھئے مسلم جلد ثانی شرح نووی صے ۳۳۷ ہے بخاری و مسلم ہے تعلیق جلد اول ہے علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر بڑا بسیط کلام کیا ہے اور تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے دس سے زیادہ اقوال نقل فرمائے ہیں دیکھئے فتح الباری جلد سوم صفحہ ۱۹۵-۱۹۶ - ۱۲

"نہاھا عن المسارعة الی القطع من غیر ان یکون عندھا دلیل قاطع کما انکر علی سعد بن ابی وقاص فی قولہ اعطہ انی لاراہ مومنا قال او مسلماً[۱]"

یعنی تنبیہ کی وجہ توقف نہ تھی بلکہ امور غیر منصوصہ پر بغیر دلیل قطعی کے فیصلہ کرنے کی ممانعت تھی لہٰذا اس حدیث سے توقف پر استدلال کرنا قطعاً درست نہیں۔

۲۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ مشرکین کے وہ تمام بچے جو عہد طفولیت میں ہی انتقال کر گئے، وہ اپنے کافر آباء واجداد کے تابع ہو کر ہمیشہ کیلئے جہنم میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ خوارج کا ایک فرقہ فرقہ ازارقہ جو سب خوارج سے زیادہ متشدد اور متغلغل ہے اور جو نافع بن ازرق کی طرف منسوب ہے وہ بڑی شدت سے اس مسلک کا قائل ہے اور تمام اطفال مشرکین کو جہنمی قرار دیتا ہے ذیل میں اس مسلک کے دلائل نقل کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ "رب لاتذر علی الارض من الکافرین دیارا انک ان تذرھم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجراً کفارا"[۲]

وجہ استدلال یہ ہے کہ کافر تو کافر ہی کو پیدا کرتا ہے اسی لئے نوح علیہ السلام ان کافروں کے بچوں تک کیلئے تباہی و بربادی کی بددعا فرما رہے ہیں لہٰذا کافروں کے بچے بھی انھیں کے تابع ہو کر ناری ہوں گے۔

۲۔ حضرت خدیجہ کبریٰ کی حدیث "قالت یارسول اللہ این اطفالی منک قال ع فی الجنة قالت فاطفالی من غیرک قال ع فی النار"

۳۔ "الوائدة والموؤدة فی النار"[۳]

وجہ استدلال یہ ہے کہ اہل عرب زمانہ جاہلیت میں کم سن اور نو مولود بچیوں ہی کو زندہ درگور کیا کرتے تھے تو اس حدیث میں ان نابالغ اطفال مشرکین کے جہنمی ہونے کی صراحت ہے۔

۴۔ ان نقلی دلائل کے علاوہ یہ حضرات یہ عقلی دلیل بھی دیتے ہیں کہ اگر اولاد مشرکین حقیقتاً مسلمان ہیں تو ان کو مسلمانوں کی طرح دفن کیوں نہیں کیا جاتا اور ان پر نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھی جاتی۔

مذہب ثانی کا جواب

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اس بددعا سے استدلال اسلئے درست نہیں کہ حضرت نوح ع کو بتا دیا

---

[۱] مسلم شریف جلد ثانی شرح نووی ج ۲ ص ۳۲ [۲] سورہ نوح پارہ ۲۹ [۳] ابو داؤد جلد ثانی ص ۶۴۹ ۔

گیا تھا کہ "لن یومن من قومک الامن قد آمن[۱]" آپکی قوم کے جو افراد ایمان لاچکے ہیں بس وہی مومن رہیں گے اور بقیہ ان تمام کفار کی نسلوں تک سے ایمان کی کوئی توقع نہیں تو حضرت نوح نے اپنے مخاطب تمام کفار وقت کیلئے بد دعا فرمائی نہ کہ علی الاطلاق ہر زمانہ کے کافروں کیلئے۔ یہی مضمون حضرت قتادہ، محمد بن کعب، ربیع ابن زید وغیرہ سے اس طرح مروی ہے "ما دعا علیھم الابعد ان اخرج اللہ تعالیٰ کل مومن من اصلابھم واعقم ارحام نساءھم[۲]"

لہٰذا ایک مخصوص واقعہ سے عموم پر استدلال درست نہیں۔

۲- دوسری دلیل حضرت خدیجہؓ کی اس حدیث کی حقیقت آشکارہ کرنے کیلئے بحر العلوم علامہ ابن حزم ظاہری کا یہ تبصرہ نقل کردینا ہی کافی ہوگا:-

"اما حدیث خدیجۃ رضؓ فساقط مطرح لم یروہ قط من فیہ خیر[۳]"

حضرت خدیجہ رضؓ کی حدیث اس درجہ ناقابل اعتبار ہے کہ کسی بھی خدا ترس آدمی نے اسے روایت نہیں کیا لہٰذا احکام میں اعلیٰ اور صحیح حدیثوں کے موجود ہوتے ہوئے ایسی کمزور حدیثوں سے استدلال کرنا کج فہمی اور کم علمی کی دلیل ہے۔

۳- اس حدیث کے متعدد جواب ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:-

(الف) پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ حدیث نہ صرف یہ ثابت نہیں بلکہ قریب قریب موضوع ہے کیونکہ علامہ ابن عبد البر جیسے چوٹی کے محدث نے اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا[۴]:-

"لا اعلم احدًا روی ھذا الحدیث عن الزھری غیر ابی معاذ وھو ناسی الحدیث لا یحتج بحدیثہ"

(ب) دوسرا جواب دیتے ہوئے ملا علی قاری فرماتے ہیں حدیث مذکورہ میں یہ بھی احتمال ہے کہ موؤدہ بالغ ہو[۵] "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" اسی کی تصریح کرتے ہوئے صاحب کشف الحاجہ ابن حزم کی عبارت کی شرح یوں کرتے ہیں[۶]:-

"اس میں علی الاطلاق وائدہ اور موؤدہ کا حکم نہیں بیان کیا گیا ہے بلکہ آپ نے اس جملہ سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ سلمہ بن یزید کی بہن (جو اس حدیث

۱؎ سورہ ہود آیت نمبر ۳۶ ۲؎ روح المعانی جز ۲۹ مطبوعہ مصطفائیہ صفحہ ۸۳ ۳؎ کشف الحاجہ صفحہ ۱۷۴ ۴؎ مرقاۃ جلد اول صفحہ ۱۵۲ ۵؎ ایضاً ۶؎ کشف الحاجہ صفحہ ۱۷۴

کا مورد ہیں) نابالغ نہیں تھیں بلکہ وہ تو بلوغ کو پہنچ چکی تھیں"۔
لہٰذا ایک خاص واقعہ کو قاعدہ کلیہ بنانا اور اس کو عموم دینا صحیح نہیں۔

(د) تیسرا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حدیث مذکور میں زائدہ سے دایہ اور موٴدہ سے موٴودہ لہا یعنی لڑکی کی ماں مراد ہے اس لئے اب کوئی اشکال نہیں رہا۔[1]

۴۔ ان حضرات کی چوتھی دلیل کا جواب یہ ہے کہ تدفین اور نماز جنازہ دنیوی امور ہیں جو تعامل نہ ہونے کی وجہ سے ان پر جاری نہیں ہوں گے جب کہ ان کی نجات اور اسلام و فطرت کا حکم اخروی امر ہے پھر اگر دنیوی امور کو علامت نجات قرار دیا جائے تو پھر تو بہت سے اشکالات کھڑے ہو جائیں گے۔[2]

۳۔ ان دو مسلکوں کے برخلاف جمہور محققین علماء مفسرین و متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ اطفال مشرکین جنتی ہیں اور وہ تکذیب و تکفیر میں اپنے آباء و اجداد کے تابع نہیں ہیں بلکہ وہ فطرت انسانی پر قائم رہتے ہوئے اخروی لحاظ سے مومنین و مسلمین کے زمرہ میں شمار کئے جائیں گے اس سلسلے میں جمہور اہل سنت کے پاس بے شمار نقلی و عقلی دلائل موجود ہیں جو ماخذ شریعت سے ماخوذ اور مزاج اسلام کے عین مطابق ہیں۔

دلائل جمہور

۱۔ واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظھورھم وذریتھم واشھدھم علی انفسھم الست بربکم قالوا بلیٰ۔[3]

---

[1] دیکھئے تنظیم الاشتات جلد اول ص۱۱۵ [2] مثلاً ایک شخص علانیہ مسلمان تھا اس کی موت کے بعد کافر ورثاء نے نہ دفن کیا اور مسلمانوں کو نماز جنازہ پڑھنے دی تو کیا اس پر بھی عدم اسلام و عدم ایمان کا حکم لگایا جائے گا۔ اطفال مشرکین کی تفصیل ان کتب سے ماخوذ ہے۔ فیض الباری کشمیری جلد ثانی ص۴۹۵-۴۹۲ فتح الباری للعسقلانی جلد ثالث ص۱۹۱ شرح مسند جلد اول ص۱۵۰ تا ص۱۶۲ مطبوعہ سعودیہ۔ شرح نووی مسلم ثانی ص۳۳۷ مرقاۃ المفاتیح جلد اول ص۱۳۵ بذل المجہود جلد خامس ص۲۱۷ شفاء العلیل ص۲۸۳ تا ص۲۸۴ معالم السنن وص۸۳ وص۸۹ طریق الہجرتین ص۳۹۶ او ص۴۰۱ تحفۃ الاحوذی جلد ثالث ص۱۹۹ الکوکب الدری جلد ثانی ص۲۰۵ التعلیق الصبیح جلد اول ص۸۰ لامع الدراری جلد ثانی ص۱۲۶ تا ص۱۳۶ کشف الحجب ص۱۶۱ تا ص۱۶۹ تنظیم الاشتات جلد اول ص۱۱۱ تا ص۱۱۳۔ نیز حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اطفال مشرکین پر اوجز المسالک میں بڑا بسیط کلام کیا ہے [3] سورہ اعراف پارہ نمبر ۹۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ آدم کی پوری نسل اپنے اس اقرار ایمانی کی بناء پر نفس الامر میں دین ہے اور بلوغ کے بعد کافرانہ و باغیانہ افعال ہی اس اقرار و معاہدہ کو متاثر کر سکتے ہیں نابالغ بچوں کا یہ اقرار جوں کا توں باقی ہے اسلئے وہ جنتی ہوں گے۔

۲- وما تکسب کل نفس الا علیھا ولا تزر وازرۃ وزر اخری[1]

یہ آیت تابع ہونے کی صراحتاً تردید کر رہی ہے۔

۳- لا یصلاھا الا الاشقی الذی کذب وتولی[2]

جہنم کا وہی مستحق ہوگا جس نے امور غیبیہ تعلیمات دین اور وحی الٰہی کی تردید و تکذیب کی اور حق سے اعراض کیا ہو اطفال مشرکین کیوں کہ غیر مکلف ہیں اسلئے تکذیب و تولی کا ان پر اطلاق نہیں ہوگا۔

۴- وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا[3]

ظاہر ہے کہ رسول کو نابالغ بچوں کی جانب نہیں بھیجا جاتا لہٰذا ان کی تعذیب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

۵- فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا[4]

تمام انسانوں کو فطرت پر پیدا کیا گیا اور نابالغ بچوں کو فطرت ہی پر موت دیدی گئی اسلئے وہ بہشتی ہوں گے۔

۶- کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یہودانہ وینصرانہ ویمجسانہ و یشرکانہ - (حدیث)

۷- عن سمرۃ بن جندب رض عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل مولود یولد علی الفطرۃ فقال بعض الناس یارسول واولاد المشرکین قال و اولاد المشرکین[5]

۸- عن حسناء بنت معاویہ الصریمیہ عن عمتھا قالت قلت یارسول اللہ من فی الجنۃ قال النبی فی الجنۃ والشہید فی الجنۃ والمولود فی الجنۃ والوئیدۃ فی الجنۃ[6]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

[5] مستخرج

[1] سورۂ انعام پ ۸ [2] سورۂ اللیل پ ۳۰ [3] بنی اسرائیل پ ۱۵ [4] سورۂ روم پ ۲۱ [5] البرقانی علی البخاری بحوالہ شرح السنہ جلد اول ص ۱۵۳ [6] مولانا مبارکپوری نے موؤدہ کے بجائے مولود کے الفاظ نقل کئے ہیں دیکھئے تحفۃ الاحوذی جلد سوم ص ۱۹۰ [7] مسند امام احمد جلد پنجم ص ۵۸ و ابوداؤد۔

۹- حدیث ابراھیم حین راٰہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الجنۃ وحجرلہ اولاد الناس قالوا یا رسول اللہ واولاد المشرکین قال واولاد المشرکین[1]۔

۱۰- حضرت معمر عن قتادہ عن الحسن کے طریق سے بیان کرتے ہیں:-
ان سلمان رض قال اولاد المشرکین خدم اھل الجنۃ[2]

۱۱- عن سمرۃ رض قال اولاد المشرکین خدم اھل الجنۃ[3]
حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

۱۲- عن انس رض قال سألت ربی اللاھین من ذریۃ البشر ان لایعذبھم فاعطانیھم[4]
لاھین سے نابالغ بچے مراد ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی سند کو حسن قرار دیا۔

۱۳- سمرہ بن جندب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک طویل خواب اپنی روایت میں بیان کیا ہے باب سے متعلق الفاظ یہاں نقل کئے جاتے ہیں:-
"اما الولدان الذین حولہ فکل مولود مات علی الفطرۃ فقال بعض المسلمین یا رسول اللہ واولاد المشرکین فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واولاد المشرکین[5]۔
یہ حدیث صراحت کر رہی ہے کہ اولاد مشرکین جنت میں گے کیونکہ انبیاء کا خواب وحی کے قائم مقام ہوتا ہے۔

۱۴- اس سلسلے میں سب سے صریح واضح اور مکمل روایت حضرت عائشہ رض کی ہے جو اس مسئلہ میں حقیقتاً قول فیصل کا درجہ رکھتی ہے اور جو تقریباً تمام نصوص وارد کا نچوڑ ہے ذیل میں ہم اسے نقل کرتے ہیں:-
عن ابی معاذ عن الزھری عن عروۃ عن عائشۃ رض قال سألت خدیجۃ رض النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن اولاد المشرکین فقال مع آباءھم ثم سألتہ بعد ذلک قال اللہ اعلم بما کانوا عاملین ثم سألتہ بعد ما استحکم الاسلام فنزل ولاتزر وازرۃ وزر اخری قال ھم علی الفطرۃ او قال ھم فی الجنۃ[6]
اس تفصیلی روایت کے بعد اب مزید لب کشائی کی گنجائش نہیں رہتی۔

سوال ۲۸:- عن جابر رض قَالَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الانصارِ اِلَی النبیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ اِنَّ لِی جَارِیَۃً اَعزِلُ عَنھَا قَالَ

---

[1] رواہ البخاری [2] شرح السنۃ جلد اول ۱۵۵ مطبوعہ سعودی عرب [3] طبرانی و بزار و فی ابی داؤد طیالسی و ابی یعلی عن انس۔
[4] ابو یعلی و فی البزار عن ابن عباس مرفوعاً [5] بخاری [6] مصنف عبدالرزاق بحوالہ تحفۃ الاحوذی جلد سوم ۱۵۹۔

سَيَأْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا فَأَتَاهُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَقَالَ قَدْ حَمَلَتِ الْجَارِيَةُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُدِّرَ لِنَفْسِهِ شَيْئًا إِلَّا وَهِيَ كَائِنَةٌ

(الف) اعراب لگا کر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب) عزل کی تعریف کیجئے۔

(ج) کیا عزل کرنے میں عورت کی اجازت ضروری ہے مع اختلاف ائمہ تحریر فرمائیے۔

(د) عزل کا شرعی حکم بیان کیجئے۔

جواب سوال نمبر ۲۸:۔ (الف) اعراب کیلئے مذکورہ بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہیکہ ایک انصاری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری ایک باندی ہے (کیا) میں اس سے عزل کر سکتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (عزل سے کیا فائدہ) جو اس کی تقدیر میں (بچہ جننا نہ جننا) ہے وہ تو (بالآخر) ہو کر ہی رہے گا (اس کے بعد وہ شخص چلا گیا) پھر چند دنوں کے بعد پھر حاضر ہوا اور (نہایت متحیرانہ انداز میں) بولا (میرے عزل کرنے کے باوجود بھی) باندی حاملہ ہو گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ہم نے کہا نہیں تھا کہ) جس نفس کی جو تقدیر میں ہے وہ ہو کر ہی رہے گا۔

(ب) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ عزل کی تعریف یوں کرتے ہیں:۔

(العزل) ای النزع بعد الایلاج[ع] لینزل خارج الفرج۔[1]

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس مفہوم کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

"العزل ھو ان یجامع فاذا قارب الانزال نزع وانزل خارج الفرج"[2]

شیخ عبد الغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ عزل کی تعریف کے ساتھ ساتھ نہایت مختصر انداز میں اس کے پس منظر کو بھی بیان کرتے ہیں کہ

" العزل اراقة المنی خارج الفرج خوفا من خلق الولد "[3]

(ج) حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت اگر حرہ ہو تب بھی عزل کرنے کیلئے

---

[1] فتح الباری للعسقلانی جلد نہم ص۲۲۲ [2] مسلم شریف جلد اول ص۴۶۴ [3] ابن ماجہ ص

[ع] داخل کرنا۔

اس سے اجازت لینی ضروری نہیں" لان المرأۃ لاحق لها فی الجماع اصلاعندہ"[1]
اس کے برخلاف حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرہ عورت سے عزل کرنے میں
اس سے اجازت لینی ضروری ہے اور اس کی اجازت کے بغیر عزل جائز نہیں" لان الجماع
من حق الحرۃ ولها المطالبۃ بہ"[2] نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث" انہ نہی
ان یعزل عن الحرۃ الا باذنها"[3] بھی احناف اور جمہور امت کی پرزور تائید کررہی
ہے اسی کے پیش نظر بہت سے شوافع سے بھی یہ منقول ہے کہ امام شافعی بھی جمہور امت کے
ساتھ ہیں اور اسی لئے علامہ ابن عبدالبر اور علامہ ابن ہبیرہ نے اس پر تمام فقہاء کا اجماع نقل کیا
ہے کہ آزاد عورت سے اس کی رضاء کے بغیر عزل جائز نہیں[4]
لیکن احقر کی ناقص رائے یہ ہے کہ امام شافعی کے اصول و مزاج کے پیش نظر مقدم الذکر مذہب
ہی ان کی جانب صحیح منسوب ہے اور حضرت امام شافعی حقیقتاً اس مسئلہ میں جمہور کیساتھ نہیں ہیں۔
اگر عورت امۃ منکوحہ[ع] ہو تو عزل کرنے کے سلسلے میں یہ اختلاف ہے کہ عزل میں اس امۃ منکوحہ
سے اجازت لی جائے گی یا اس کے آقا کی اجازت درکار ہے۔
حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امۃ منکوحہ سے عزل کرتے میں کسی کی اجازت کی
ضرورت نہیں شوہر کو ہر قسم کا بالکلیہ اختیار ہے[5]
حضرت امام ابویوسف اور امام محمد فرماتے ہیں کہ امۃ منکوحہ سے عزل کرنے میں اسی کی اجازت
ضروری ہے لان الوطی حقها حتی ثبت لها ولایۃ المطالبۃ بالوطی وفی العزل
تنقص حقها فیشترط رضاها کما فی الحرۃ[5]۔ امام احمد کے چار اقوال میں سے
ایک قول صاحبین ہی کے مطابق ہے[6]

مولی کی اجازت ضروری ہے لان العزل یخل بمقصود الولد وهو حق المولی

---

[1] تنظیم الاشتات جلد سوم ص ۳۱۶ [2] ابن ماجہ [3] قال ابن عبد البر" لاخلاف بین العلماء انہ لایعزل عن الزوجۃ الحرۃ بغیر اذنها" فتح الباری جلد نہم ص ۲۴۷ [4] تنظیم الاشتات جلد سوم ص ۳۱۶ [5] ایضاً [6] فتح الباری جلد نہم ص ۲۴۸

ع وہ عورت جس کے آقا نے اس کا کسی اور کے ساتھ نکاح کردیا ہو۔

فیعتبر رضاہ" امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی راجح ترین قول یہی ہے اور دلائل و براہین کی روشنی میں یہی واضح صحیح اور قوی ترین مسلک ہے[۱]۔

(د) عزل کا حکم شرعی

عہد صحابہ و تابعین میں عزل کے سلسلے میں دو مذہب مشہور و معروف رہے ہیں:-

۱- ایک تو یہ کہ عزل مکروہ اور تقریباً ناجائز ہے اور ایسا کرنا نسل انسانیت کیلئے مضر اور وادخفی کے مترادف ہے حضرت عمر، حضرت عثمان، عبداللہ بن مسعود ابن عمر، ابوامامہ وغیرہ اور علامہ نووی کی یہی رائے ہے[۲] ہمارے استاذ الاساتذہ ابن حجر ہند علامہ سید انور شاہ کشمیری رح بھی تقریباً اسی کے قائل ہیں[۳]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ و دیگر علماء مذکورہ حضرات سے منقول ممانعت کو کروہ تنزیہہ پر محمول کرتے ہیں[۴]

۲- دوسرا مسلک یہ ہے کہ بحالت مجبوری عزل جائز ہے اور وہ اضطرار کے وقت وادخفی کے زمرے میں نہیں آتا ائمہ اربعہ محدثین و مفسرین اور جمہور امت کا یہی مذہب ہے اور یہی مفتی بہ اور صحیح ترین مذہب ہے اسی بنا پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں[۵]۔

"العزل جائز عند عامۃ العلماء وکرھہ قوم من الصحابۃ وغیرھم والصحیح الجواز"

لیکن یہ رخصت اسی وقت ہے جب کہ صنف نازک کی صحت جسمانی اعذار حالات و کیفیات ان زبردست ذمہ داریوں کو نباہنے کی قطعاً اجازت نہ دیتی ہوں اور ایسا کرنے میں اس کی جان یا بچہ کی ذات کو نقصان و ہلاکت کا اندیشہ لاحق ہو تو بحالت مجبوری عزل کی گنجائش ہے لیکن اس گنجائش کا یہ مطلب نہیں کہ دوسری نصوص صریحہ اسلامی و دینی مزاج شریعت کے نقطہ نظر سے بے پرواہ حدود سے متجاوز اور دائرہ شریعت سے باہر ہو کر محض کا غوت کو خوش کرنے کیلئے باقاعدہ طور سے فیملی پلاننگ ضبط ولادت اور تحدید نسل کی ترغیب دی جانے لگے اور ان منحوس منصوبوں کو عزل کے ذیل میں لاکر عین اسلام ہے اور امر مستحسن قرار دیدیا جائے۔

---

[۱] تنظیم الاشتات سوم ط۱۳۱ [۲] مرقاۃ ثالث ط۴۳ [۳] تنظیم الاشتات سوم ط۲۱ [۴] مرقاۃ ثانی ص۲۲۷ [۵] مرقاۃ ثالث ص۴۳۹۔

اس طرح کی کوششیں غیروں کی جانب سے نہیں بلکہ اپنے ہی ناخواندہ ان نام نہاد علماء کی جانب سے
کی جا رہی ہیں جو مغرب سے مرعوب اور آج کے روشن خیال طبقہ کے کھوکھلے نعروں سے مبہوت
ہو کر رہ گئے ہیں اور جو اسلام کو دور حاضر کے تمام باطل فلسفوں کا مقتدی و موافق ثابت کرنے
ہی میں اس کی عافیت اور اس کی سب سے بڑی خدمت سمجھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی
ساری کوششیں دین پر بہتان شریعت سے کھلواڑ اور اسلام کے ساتھ ایک گھناؤنا مذاق
ہے اور دین سے ان کا دور کا بھی کوئی تعلق نہیں کیونکہ اسلام اصولی طور پر تحدید نسل سے
متنفر اور توسیع نسل کا خواہاں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "تزوجوا الودود
الولود فانی مکاثر بکم الامم" نیز "توالدوا فتکثروا فانی اباھی بکم یوم
القیامۃ بکثرۃ الامم" ارشاد فرما کر اسلام کے اسی نقطہ نظر کی وضاحت فرمائی ہے۔
نسل انسانی کو اس کے وجود سے محروم کرنا اس کی تولید و توسیع پر پابندی لگانا اور دنیا کو
محض اپنی جاگیر و میراث سمجھنا انتہا درجہ کی خود غرضی کمینہ پن اور زبردست ظلم ہے اور
یہ انھیں منکرین قسمت کو مبارک ہو جو رب جلیل سے بے نیاز ہو کر محض مادی وسائل
محسوسات و ظواہر پر نظر کرتے ہوئے اٹکل پچو حساب لگا کر دنیا میں انسانی آمد کو روکنے
پر تلے ہوئے ہیں۔

ایک خدا پرست انسان جو "نحن نرزقکم وایاھم" پر ایمان رکھتا ہے جو "لا تقتلوا
اولادکم خشیۃ املاق" کا اپنے آپ کو مخاطب سمجھتا ہے اور جو خداوند قدوس ہی
کو خالق و رازق سمجھتے ہوئے مسئلہ قضاء و قدر کو بلا چون و چرا تسلیم کرتا ہے وہ کبھی ایسی خود
غرضی اور ظلم پر نہیں اتر سکتا اور نہ ہی عقلی و روحانی طور پر اتنا دیوالیہ ہو سکتا ہے کہ
محض اپنے ظنی آرام و آسائش کی خاطر آئندہ آنے والی نسل انسانی کی آمد پر پابندی لگائے
اسکی غیر فطری تحدید کا خواہشمند ہونے کیساتھ ساتھ اسکے وجود ہی کا دشمن ہو جائے۔

حیرت کی بات تو یہ کہ انھیں ملحدین کی دیکھا دیکھی اور انھیں منکرین قسمت اور دشمنان اسلام
کی تقلید میں بہت سے مرعوب و مسحور اسلامی عرب ممالک بھی اسی ڈگر پر چل پڑے
اور کل جہاں سے "تزوجوا الودود الولود" کی مبارک صداء گونجی تھی آج
وہیں سے خاندانی منصوبہ بندی اور تحدید نسل کی آوازیں آنے لگی ہیں اور ان خبیث
منصوبوں کی ترغیب و تشہیر کیلئے اخبار و رسائل دینا وی و مادی وسائل اور ان کے تمام
ذرائع ابلاغ بھی حرکت میں آ گئے ہیں ایسے ہی نام و نہاد مسلمانوں کے بارے میں اقبال نے کہا ہے

؎ خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں۔ (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سوال ۲۹:۔ عَنْ ثَوْبَانَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَزِیْدُ فِی الْعُمُرِ اِلَّا الْبِرُّ وَلَا یَرُدُّ الْقَدْرَ اِلَّا الدُّعَاءُ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَیُحْرَمُ الرِّزْقَ بِخَطِیْئَۃٍ یَعْمَلُھَا۔

(الف) اعراب لگاکر صحیح ترجمہ کیجئے (ب) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیرات الٰہیہ میں تبدیلی نہیں آسکتی اس متفق علیہ مسلک کی روشنی میں آپ حدیث باب کا کیا جواب دیں گے ؟

جواب سوال ۲۹:۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ثوبان رضؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نیکی کے علاوہ کوئی چیز عمر میں زیادتی کا سبب نہیں بنتی اور دعا کے علاوہ کوئی چیز تقدیر کو نہیں ٹال سکتی اور بندہ (مسلم) اپنے کردہ گناہوں کی پاداش میں رزق (دنیوی منفعت واخروی اجر وثواب) سے محروم کردیا جاتا ہے (ب) اگر درج بالا حدیث سے تقدیر معلق مراد لی جائے تو حدیث باب پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا کیونکہ تقدیر معلق میں تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ "یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتب" لیکن اگر حدیث باب کی تقدیر کو عام مانا جائے تو اہل سنت والجماعت کے طے شدہ مسلک سے اس کا ٹکراؤ ہو جائے گا کیونکہ تقدیر مبرم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی — اسی تعارض وتصادم کو رفع کرنے کیلئے محققین علماء نے متعدد توجیہ وتاویلیں کی ہیں۔ چند باوزن توجیہات ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔ شراح حدیث کی ایک جماعت نے کہا کہ یہاں ظاہر مراد نہیں بلکہ ان تینوں چیزوں کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے کہ فی نفسہ عمر میں تو کوئی زیادتی نہیں ہوتی لیکن نیکی میں اتنی طاقت وبرکت ہے کہ اگر عمر میں اضافہ ہوا کرتا تو نیکی ہی کی بدولت ہوتا اور تقدیر کو اگر کوئی چیز ٹال سکتی تو وہ صرف دعا ہوتی اور معاصی میں اتنی نحوست ہے کہ اگر مقدر رزق میں کمی ہوا کرتی تو وہ صرف گناہوں کی خباثت ونحوست کی وجہ ہی سے ہوتی شیخ عبد الحق دہلوی کی یہی رائے ہے۔

۱۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عمر میں زیادتی کا مطلب یہ ہے کہ اس بندے کے اوقات میں برکت دیدی جائے گی اور وہ اپنی مقرر کردہ اسی عمر میں اتنے کثیر اور نمایاں کارنامے انجام دیگا جن کیلئے ایک طویل عمر درکار ہے لیکن نیکی وتقوی کی برکت سے وہ سیکڑوں سالہ امور کو محض چند سال ہی میں

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

لہ عزل کی مزید تشریح کیلئے دیکھئے فیض الباری جلد چہارم ص۳۰۵ والعرف ص۳۰۳ بخاری شریف جلد ثانی ص۷۸۴ فتح الباری جلد نہم ص۲۴۲ تا ص۲۴۹ عمدۃ القاری للعینی جلد نہم ص۲۹۵ مسلم شریف اول ص۴۶۴ بذل المجہود جلد سوم ص۲۴۰ والانوار جلد دوم ص۲۴۳ التعلیق الصبیح جلد چہارم ص۳۷ ترمذی جلد اول ص۱۳۵ الکوکب الدری اول ۲۴۹ تحفۃ الاحوذی جلد دوم ص۱۹۳ مظاہر حق جدید جلد سوم قسط پنجم ص۶۶ تا ص۷۳ تنظیم الاشتات جلد سوم ص۳۱۶ وص۳۱۷ نیز عزل کے سلسلے میں جدید معلومات کیلئے فقیہ عصر قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کے زیر ادارت نکلنے والا رسالہ البحث و

ٹلا دیگا جیسے بحر العلوم شیخ العرب والعجم حکیم الامت حضرت تھانوی رح نے اپنی عمر سے بہت زیادہ کام کیا۔ اور تقدیر ٹلنے کا مطلب یہ ہے کہ دعا کی بناء پر تقدیر کو ہلکا کر دیا جائے گا اور دعا کی برکت سے اس بندے کو تقدیری امور برداشت کرنے کی طاقت دیدی جائے گی جب کہ رزق سے محرومی کے یہ معنی ہیں کہ معاصی کی نحوست کی وجہ سے اسکے رزق کی برکت و نورانیت اٹھالی جائے گی۔

۳۔ تیسری تاویل یہ کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ماکان وما یکون کا علم ہے اسلئے تقدیر لکھتے وقت ہی آپ کو علم تھا کہ یہ بندہ نیکی و تقویٰ اختیار کرے گا تو اس کی برکت سے ازل ہی میں اس کی عمر بڑھا کر لکھدی گئی اور آپکو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ بندہ کوئی غیر معمولی دعا کریگا تو اس دعا کی وجہ سے وہیں اس کی قسمت میں مصیبتوں اور بلاؤں کو نہیں لکھا گیا نیز آپ یہ بھی جانتے تھے کہ فلاں شخص گناہ و معاصی کا ارتکاب کرے گا تو معاصی کی نحوست سے اس کے رزق میں بوقت کتابت ہی کمی کر دی گئی تو نیکی ہی زیادت عمر کا سبب اور دعا ہی رد قضا کی وجہ ہوئی اور معاصی ہی کی بناء پر رزق سے محروم کیا گیا اسی لئے حدیث باب میں ان تینوں کی مطلق فاعلیت کی نسبت کر دی گئی۔

ان تاویلوں کے بعد حدیث باب کی مزید تشریح کیلئے معارف القرآن سے ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت مفتی شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ مفتی اعظم پاکستان اسی قسم کی احادیث کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں

"ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عمر یا رزق وغیرہ کسی کی تقدیر میں لکھ دیئے ہیں وہ بعض اعمال کی وجہ سے کم یا زیادہ ہو سکتے ہیں اور دعا کی وجہ سے تقدیر بھی بدلی جا سکتی ہے"

پھر مسئلہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"کتاب و تقدیر میں لکھی ہوئی عمر یا رزق یا مصیبت یا راحت وغیرہ میں جو تغیر و تبدل کسی عمل یا دعا کی وجہ سے ہوتا ہے اس سے مراد وہ کتاب و تقدیر ہے جو فرشتوں کے ہاتھ یا ان کے علم میں ہے اسمیں بعض اوقات کوئی حکم کسی خاص شرط پر معلق ہوتا ہے جب وہ شرط نہ پائی جائے تو یہ حکم بھی نہیں رہتا پھر یہ شرط بعض اوقات تو تحریر میں لکھی ہوئی فرشتوں کے علم میں ہوتی ہے بعض اوقات لکھی ہوئی نہیں ہوتی صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتی ہے جب وہ حکم بدلا جاتا ہے تو سب حیرت میں رہ جاتے ہیں اس طرح کی تقدیر معلق کہلاتی ہے جسمیں آیت کی تصریح کے مطابق محو و اثبات ہوتا رہتا ہے لیکن آیت کا آخری جملہ "وعندہ ام الکتاب" نے بتلا دیا کہ اس تقدیر معلق کے اوپر ایک تقدیر مبرم ہے جو ام الکتاب میں لکھی ہوئی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ صرف علم الٰہی کیلئے مخصوص ہے اس میں وہ احکام لکھے جاتے ہیں جو شرائط و اعمال یا دعا کے بعد آخری نتیجہ کے طور پر ہوتے ہیں اسلئے وہ محو و اثبات کمی بیشی سے بالکل بری ہے[1]"

---

[1] معارف القرآن جلد خامس صفحہ ۲۰۲-۲۰۳ اس حدیث کی مزید تشریح کیلئے دیکھئے مرقاۃ لعلی القاری جلد رابع صفحہ ۶۹۹ ترمذی جلد ثانی

اسکے ساتھ ساتھ یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ تقدیر معلق کا تعلق صرف فرشتوں سے ہے جسمیں انکو بندوں کی نیکی دعا رزق وغیرہ کے رب جلیل کی جانب سے احکام وہدایات ملتی رہتی ہیں اور اللہ کیلئے ان کے علم کامل کی وجہ سے ہر تقدیر تقدیر مبرم ہے۔

سوال نمبر ۳۰:۔ عن سراقہ بن جعشم قال قلت یا رسول اللہ العمل فیما جف بہ القلم وجرت بہ المقادیر وکل میسر لما خلق۔ (الف) حدیث بالا پر اعراب لگاکر مطلب خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب) تقدیر کے مسئلہ پر مختصر مگر شافی کلام کرتے ہوئے ایک ایسا مضمون لکھیئے جس سے مسئلہ بالا کی حقیقت واضح ہوجائے۔

جواب سوال نمبر ۳۰:۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث دیکھئے۔

حضرت سراقہ بن جعشم رضہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ سے پوچھا یا رسول اللہ ص ذرا یہ بتائیے کہ کیا عمل (بھی) ان تقدیرات میں داخل ہے جن پر قلم خشک ہوچکا (اور وہ بغیر کسی تغیر و تبدل کے بالکلیہ باقی رہیں گی) اور (اس کتابت کے ساتھ) مقادیر جاری بھی ہوگئیں یا یہ امر مستقبل ہے (جسکی کتابت نہیں کی گئی) آپ نے جواب دیا (امر مستقبل نہیں بلکہ) بلکہ وہ بھی انھیں (تقدیرات) میں سے ہے جن (کو لکھ کر) قلم خشک ہوچکا اور مقادیر بھی جاری ہوگئیں اور ہر ایک (انسان) کو (اس کے انجام کے وہ) تمام اسباب فراہم کردیئے گئے جس کیلئے وہ پیدا کیا گیا ہے (اگر جنتی ہے تو مسلم گھرانے میں پیدا کرکے اس کی توجہ حق سے ہٹادی گئی)۔

(ب) تقدیر کے مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے داعی کبیر مناظر اعظم حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دامت برکاتہم وادام اللہ ظلہ علینا نے نہایت جامع مختصر اور تسلی بخش مضمون تحریر فرمایا ہے ذیل میں ہم معارف الحدیث اس کو بعینہ نقل کررہے ہیں:۔ "اللہ تعالیٰ کی تقدیر اس کے علم ازلی کے مطابق ہے اور اس کارخانہ عالم میں جو کچھ جس طرح اور جس صفت کیساتھ اور جس سلسلہ سے ہورہا ہے وہ بالکل اسی طرح اور اسی صفت اور اسی سلسلہ کیساتھ علم ازل میں تھا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو مقدر فرمایا ہے۔ اور ہم میں سے جو شخص بھی اپنے اعمال وافعال پر غور کرے گا وہ بغیر کسی شک وشبہ کے اس حقیقت کو محسوس کریگا کہ اس دنیا میں ہم جو اچھے یا برے عمل کرتے ہیں وہ اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتے ہیں ہر کام کے کرنے کا وقت اگر ہم غور کریں تو بدیہی اور یقینی طور پر محسوس ہوگا کہ ہم کو یہ قدرت حاصل ہے کہ چاہیں تو اس کو کریں اور چاہیں تو نہ کریں پھر اس قدرت کے باوجود ہم اپنے خداداد ارادے اور اختیار سے کرنے اور نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں اور اسی فیصلہ کے مطابق ہمارا عمل ہوتا ہے۔ پس اس عالم میں جس طرح ہم اپنے ارادے اور اختیار سے اپنے تمام کام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ازل میں اسی طرح ان کا علم تھا اور پھر اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو مقدر فرمادیا اور اس پورے سلسلہ کے وجود کا فیصلہ فرمادیا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے صرف ہمارے اعمال ہی کو مقدر نہیں فرمایا ہے بلکہ جس ارادہ اور اختیار سے

ہم عمل کرتے ہیں وہ بھی تقدیر میں آچکا ہے گویا تقدیر میں صرف یہی نہیں ہے کہ فلاں شخص فلاں اچھا یا برا کام کریگا بلکہ تقدیر میں یہ پوری بات ہے کہ فلاں شخص اپنے ارادہ واختیار سے ایسا کرے گا پھر اس سے یہ نتائج پیدا ہوں گے پھر اس کو یہ جزاء یا سزا ملے گی۔ الغرض ہم کو اعمال میں جو ایک گونہ خود اختیاری اور خود ارادیت حاصل ہے جسکی بناء پر ہم کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں وہ بھی تقدیر ہے اور ہمارے اعمال کی ذمہ داری اسی پر ہے اور اسی کی بناء پر انسان مکلف ہے اور اسی پر جزاء وسزاء کی بنیاد ہے۔

بہر حال تقدیر نے اس خود اختیاری اور خود ارادیت کو باطل اور ختم نہیں کیا بلکہ اس کو اور زیادہ ثابت اور مستحکم کر دیا ہے لہذا تقدیر کی وجہ سے نہ تو ہم مجبور ہیں اور نہ ہمارے اعمال کی ذمہ اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے۔

ایسے ہی جن مقاصد کیلئے ہم جو کوششیں اور جو تدبیریں اس دنیا میں کرتے ہیں تقدیر میں بھی ہمارے ان مقاصد کو انھیں تدبیروں اور کوششوں سے وابستہ کیا گیا ہے۔

الغرض تقدیر میں صرف یہ نہیں ہے کہ فلاں شخص کو فلاں چیز حاصل ہو جائیگی بلکہ جس کوشش اور جس تدبیر سے وہ چیز اس دنیا میں حاصل ہونے والی ہوتی ہے تقدیر میں بھی وہ اسی تدبیر سے بندھی ہوئی رہتی ہے

اب ہم ذیل میں چند قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ درج کر رہے ہیں آپ مذکورہ مضمون کو ان دلائل سے مزین کیجئے اور آگے مزید پھیلائیے:۔ (۱)۔ انا کل شیئ خلقناہ بقدر (۲)۔ وان من شیئ الا عندنا خزائنہ وما ننزلہ الا بقدر معلوم۔ (۳)۔ وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ کتابا مؤجلا۔ (۴)۔ اذا جاء اجلھم لایستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون۔ (۵)۔ لاتسقط من ورقۃ ولا حبۃ فی ظلمت الارض ولا رطب۔ ولا یابس الا فی کتاب مبین۔

چند احادیث:۔ ۱۔ عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ ﷺ کل شیئ بقدر حتی العجز والکیس۔ (مسلم)

(۲) عن عبد اللہ بن عمروؓ قال قال رسول اللہ ﷺ کتب اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السموات والارض بخمسین الف سنۃ قال وکان عرشہ علی الماء (مسلم) (۳) عن سہل بن سعد الساعدیؓ ان رسول اللہ ﷺ قال ان الرجل لیعمل عمل الجنۃ فیما یبدو للناس وھو من اہل النار وان الرجل لیعمل عمل النار فیما یبدو للناس وھو من اھل النار وان الرجل لیعمل عمل النار فیما یبدو للناس وھو من اھل الجنۃ (مسلم) ۴۔ عن ابن مسعودؓ قال حدثنا رسول اللہ ﷺ وھو الصادق والمصدوق ان خلق احدکم یجمع فی بطن امہ اربعین یوما نطفۃ ثم یکون علقۃ مثل ذلک ثم یکون مضغۃ مثل ذلک ثم یبعث اللہ الیہ ملکا باربع کلمات فیکتب عملہ واجلہ ورزقہ وشقی اوسعید ثم ینفخ فیہ الروح (بخاری ومسلم وترمذی)

(۵)۔ عن علیؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ما من احدکم الا وقد کتب مقعدہ من النار ومقعدہ فی الجنۃ قالوا یا رسول اللہ ﷺ افلا نتکل علی کتابنا وندع العمل قال اعملوا فکل میسر لما خلق لہ اما من کان من اھل السعادۃ فسییسرہ لعمل السعادۃ واما من کان من اھل الشقاوۃ فسییسرہ لعمل الشقاوۃ ثم قرأ فاما من اعطی واتقی وصدق (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بالحسنیٰ فَسَنُیَسِّرُہٗ للیسریٰ واما من بخل واستغنیٰ وکذّب بالحسنیٰ فسنیسّرہٗ للعسریٰ (بخاری ومسلم) ۵؎

سوال نمبر ۳۱:۔

(الف) صحابی کی تعریف کیجئے۔

(ب) کیا تمام صحابہ ایک درجہ کے ہیں یا ان میں بھی فرق مراتب پایا جاتا ہے وضاحت کیجئے۔

(ج) صحابہ کرام پر ایک جامع اور مختصر مضمون تحریر فرمائیے۔

(د) نیز یہ بھی بتائیے کہ اس برگزیدہ جماعت کو ہدف تنقید بنانے والوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب سوال نمبر ۳۱:۔

(الف) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ صحابی کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"وھو من لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مومناً بہٖ ومات علی الاسلام ولو تخللت ردۃ فی الاصح ۱؎"

استاذ محترم حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری اس عبارت کی تشریح یوں کرتے ہیں:۔

"صحابی وہ شخص ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالت

۵؎ قضاء وقدر کی مزید تفصیل کیلئے دیکھئے
کشف الحاجۃ ص۱۴۵ تا ص۱۹۲ التعلیق الصبیح جلد اول ص۹۸ فیض الباری جلد چہارم ص۴۲۵ معارف الحدیث جلد اول ص۔ حجۃ اللہ البالغۃ ص۶۵ جلد اول مطبوعہ رشیدیہ ترجمان السنۃ جلد سوم ص۱۵ انتظیم الاشتات نیز علامہ ابن قیم کی کتاب شفاء العلیل بھی اس کیلئے نہایت مفید ہے اور اس موضوع پر ایک رسالہ بعنوان "مسئلہ تقدیر" شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر عثمانی نور اللہ مرقدہ نے بھی تحریر فرمایا ہے۔ اور اس سلسلے میں حضرت تھانوی کی ایک مستقل کتاب ہے۔

۱؎ نخبۃ الفکر ص۱۰۸۔ ۱۲۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

۱؎ معارف الحدیث جلد اول ص۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا نعمانی کے اس مضمون سے زیادہ مختصر جامع تسلی وتشفی بخش مضمون احقر کو کہیں نہیں مل سکا اس کی انھیں خوبیوں کی بناء پر اس کو بعینہٖ نقل کردیا گیا۔ ۱۲

ایمان ملاقات کی ہو اور اسلام ہی پر ان کا خاتمہ ہوا ہو اگر ملاقات نبوی کے بعد نعوذ باللہ مرتد ہو کر دوبارہ مسلمان ہوئے ہوں تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وہ بدستور صحابی رہیں گے مگر امام مالک اور امام اعظم رحمہما اللہ کے نزدیک جب تک اسلام لانے کے بعد دوبارہ زیارت نبوی نہ ہو ان کو صحابی نہیں کہیں گے کیونکہ جس طرح اسلام قبول کرنے سے سابقہ تمام برائیاں کالعدم ہو جاتی ہیں مرتد ہونے سے بھی سابقہ تمام نیکیاں کالعدم ہو جاتی ہیں حافظ ابن حجرؒ چونکہ شافعی ہیں اسلئے اول مذہب کو اصح کہا ہے حالانکہ دلائل کی قوت کے اعتبار سے قول دوسرا اصح ہے[1]

(ب) علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں تفضیل صحابہ اور ان کے باہم فرق مراتب پر مختصر انداز میں روشنی ڈالی ہے[2] ذیل میں ہم مزید تشریح کے ساتھ اسے اپنے الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

امام ابو عبد اللہ مازری فرماتے ہیں کہ صحابہ کے فرق مراتب اور ان کے باہم افضل و مفضول ہونے میں کافی اختلاف ہے۔

ایک جماعت کا خیال ہے کہ تمام صحابہ ہی عہد رسالت و ہدایت کے درخشاں ستارے اور ایمان و یقین کے روشن مینارے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ان سب کی زبردست تربیت فرمائی ہے لہٰذا ایسے عظیم انسانوں میں سے کسی کو کسی پر فوقیت دینا اور بعض کا بعض سے مرتبہ کم کرنا صحیح نہیں اور اس مسئلہ میں توقف و سکوت کرنا چاہیئے۔

لیکن جمہور امت اس طرف گئے ہیں کہ جب انبیاء و رسل میں فرق مراتب اور افضل و مفضول پائے جاتے ہیں تو نصوص صریحہ کی موجودگی میں صحابہ کے فرق مراتب کا کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے کیوں کہ عہد رسالت و عہد خلافت میں بھی فرق مراتب کی تصریح موجود ہے جیسے کہ ابن عمرؓ کا قول "کنا نقول فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نعدل بابی بکر احدا ثم عمر ثم عثمان" اور ابن عمرؓ دوسرے قول میں فرق مراتب پر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر ثابت کرتے ہیں "کنا نقول و رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] تحفۃ الدرر ص۴۵ [2] مسلم شریف جلد ثانی شرح نووی ج۲ ص۲۷۲

علیہ وسلم حی افضل امۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعدہ ابوبکر ثم عمر ثم عثمان" جب آپ کی حیات مبارکہ میں تفضیل موجود ہے اور آپ نے اس کی تردید بھی نہیں فرمائی تو نبی کی تقریر سے مسئلہ تفضیل ثابت و مشروع ہو گیا اب اس کا انکار درست نہیں۔

لیکن تفضیل پر متفق ہونے کے بعد جمہور ہی میں افضل الصحابہ میں پھر اختلاف اٹھ کھڑا ہوا خطابیہ حضرت عمر رض کو افضل قرار دے رہے ہیں راوندیہ حضرت عباس کو افضل ثابت کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور شیعہ ان سب کو کافر قرار دیتے ہوئے حضرت علی رض کی افضلیت پر اڑے ہوئے ہیں لیکن اہل السنہ والجماعت قرآن و احادیث اور صحابہ کے اجماعی فیصلے کے پیش نظر صدیق اکبر رض کو تمام صحابہ سے افضل قرار دیتے ہیں۔ صدیق اکبر رض کے بعد حضرت عمر رض پھر حضرت عثمان رض اس کے بعد حضرت علی رض دیگر تمام صحابہ کرام رض سے افضل ہیں اگرچہ اہل السنہ ہی میں بعض کوئی حضرت علی کو حضرت عثمان پر فوقیت دیتے ہیں لیکن جمہور اہل السنہ کے مسالک کے مقابل ان کے مذہب کا کوئی اعتبار نہیں اس انفرادی تفضیل کے بعد تمام تمام صحابہ کی فضیلت کی ترتیب قائم کرتے ہوئے ابو منصور بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اکابر اس پر متفق ہیں کہ خلفاء اربعہ اپنی ترتیب خلافت میں ایک دوسرے سے مقدم اور افضل ہیں ان کے بعد عشرہ مبشرہ پھر بدری صحابہ پھر شرکاء احد اور پھر شرکاء بیعۃ الرضوان ہلم جرا تمام صحابہ سے افضل ہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تفضیل کے مسئلہ میں ایک جماعت یہ معیار قائم کرتی ہے کہ نبی کی زندگی میں جو صحابہ وفات پا گئے وہ اپنے بعد والوں سے افضل ہیں علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے لیکن علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول شاذ کی صراحتاً تردید فرمائی ہے۔

اس تشریح کے بعد یہ بحث آتی ہے کہ تفضیل صحابہ دنیاوی اور ظاہری ہے یا نفس الامری وہ قطعی اور بدیہی ہے ایک طبقہ کا یہ خیال ہے کہ یہ تفضیل اجتہادی اور ظنی ہے نفس الامر سے اس کا کوئی تعلق نہیں شیخ ابوبکر باقلانی کی بھی یہی رائے ہے جب کہ دوسری جماعت کا یہ یقین ہے کہ صحابہ کی تفضیل ظاہری و دنیاوی ہونے کے ساتھ ساتھ باطنی اور قطعی ہے اور فی الحقیقت نفس الامر میں بھی یہی ترتیب ہے شیخ ابو الحسن اشعری اس کے بڑی شدت سے قائل ہیں۔ اور یہی باوزن اور راجح قول ہے۔

(ج) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیغمبر اسلام کے وہ رفقاء اور ساتھی تھے جن کو خود حق تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت و رفاقت کیلئے منتخب فرمایا تھا اور خود اپنے دست قدرت سے ان کی تربیت فرمائی بلکہ جماعت صحابہ کا تقدس اتباع شریعت کا والہانہ جذبہ اور ان کا فہم دین اور اجتہاد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے انھیں امتیازات و خصوصیات کی بناء پر انھیں اپنے اعتماد و بھروسے کا مرکز و محور قرار دیا صحیح حدیث میں موجود ہے کہ بعض مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں کسی مافوق الفطرت امر کا تذکرہ ہوتا ہے جیسے گائے یا بھیڑیئے کا بات کرنا تو آپ نے حضرات شیخین ابوبکر و عمر کی غیر موجودگی میں یہ کلمات فرمادیئے ہیں "آمنت بہا انا وابوبکر و عمر" ان کی غیر موجودگی میں انکی طرف سے انکے ایمان کی شہادت دینا یہ ان دونوں کے اوپر مکمل اعتماد اور بھروسہ کرنے کیطرف ہی اشارہ تھا۔
جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک آنیوالی اپنی امت کو اس بات سے باخبر کیا ہے کہ مختلف ادوار میں دین وملت کو مختلف اندیشے و فتنے پیش آتے رہیں گے ان ہولناکیوں اور ہر دور میں پیش آنے والے فتنوں کی خوفناک آندھیوں سے بچنے کیلئے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنے طریقہ و سنت کو مضبوطی سے تھامے رہنے کا حکم دیا ہے وہیں اپنے محبوب صحابہ کے کردار و عمل کی بھی مکمل طور پر تقلید و اتباع کی دعوت دی ہے چنانچہ جب یہ سوال پیدا ہوا کہ امت کے دور فتن میں کس جماعت کے اسوہ و عمل سے راہنمائی حاصل کی جائے تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ما انا علیہ واصحابی" یعنی وہ جماعت تقلید و اتباع کے لائق ہے جو میرے اور میرے صحابہ کے طور و طریقہ پر ہوگی۔
یہاں آپ نے وہ فیصلہ کن آئین بنانا چاہا جو ہر زمانہ کے مناسب حال ہو وہ صرف کتاب و سنت ہی نہیں بلکہ وہ اس کی عملی تصویر ہے جو آپ نے اپنے صحابہ کے سامنے بطور اسوہ پیش کیا صحابہ کرام نے اس کے ایک ایک خط و خال کو دیکھا اور ہو بہو اس کی نقل کی اب ادھر یہ اسوہ حسنہ اور ادھر اس کا وہ مکمل نقشہ تھا پوچھنے والوں کیلئے اس سے زیادہ صاف اور سیدھی بات کیا ہوسکتی ہے کہ دور فتن میں اپنے عقائد و اعمال کو صحابہ کے عقائد و اعمال پر پیش کرو اگر وہ اس کے ہو بہو مطابق ہیں تو یقین کرو کہ تم راہ نجات و سلامتی پر گامزن ہو ورنہ ہلاکت و بربادی تمہارا مقدر ہے۔
قرآن شریف ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ ہوں یا پھر آپ کا اسوہ حسنہ اور کردار و عمل ہو یہ ساری چیزیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے نقل کرنے سے امت تک پہونچی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر مکمل اعتماد کا اظہار فرمایا ہے پھر کوئی وجہ

نہیں کہ امت بھی ان پر اسی جذبہ سے اعتماد کرے ایک عالم گیر دین جس مقدس گروہ کے توسط سے ملا ہے اگر وہی گروہ ناقابل اعتماد ہو جائے تو پھر آئندہ دور میں اس دین کا خدا حافظ۔

پس صحابہ کرام کا وجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم معجزہ ہے اور آپکی تعلیم وتربیت کا ایک مقدس مرقع ہے وہ امت کی آبرو اور ملت کی روح ہیں ان کی ذات پر بال برابر حرف دین کی عظیم الشان عمارت کو شکستہ کر دے گا۔ پھر مکمل نظام حیات دین فطرت اور دائمی ملت کا دعویٰ بھی بے بنیاد ہو کر رہ جائے گا۔

اب ذیل میں چند آیات واحادیث شریفہ نقل کی جاتی ہیں آپ درج بالا مضمون کو ان سے مدلل کیجئے اور اسے مزید پھیلائیے۔

۱- ان الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم اعظم درجۃ عند اللہ واولٰئک ھم الفائزون۔

۲- رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ یخافون یوما تتقلب فیہ القلوب والابصار۔

۳- ولما رای المومنون الاحزاب قالوا ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ وما زادھم الا ایمانا وتسلیما۔

اس میں غزوۂ خندق کے موقع پر صحابہ کی ایمانی شجاعت وبسالت اور ان کی قربانی کی تصویر کھینچی ہے۔

۴- والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ۔

لہ مذکورہ مضمون مولانا عبدالاحد صاحب فاضل جامع ازہر مصر مدیر پندرہ روزہ گلشن کے ایک اداریے ماخوذ ہے مضمون کی سلاست جامعیت اور اختصار واسلوب کو دیکھتے ہوئے اس جگہ اس کا انتخاب کیا گیا اور اس رواں دواں مضمون کو کچھ حذف وترمیم سے نقل کیا گیا ہے ۱۲

۵۔ محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم ترٰھم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من اللہ و رضواناً،

۶۔ عن عمر بن الخطاب رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم (رواہ رزین)

۷۔ عن انس رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل اصحابی فی امتی کالملح فی الطعام لایصلح الطعام الا بالملح (شرح السنہ)

۸۔ عن ابی سعیدؓ الخدری رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذھباً ما بلغ مد احدھم ولا نصیفہ (متفق علیہ)۔

۹۔ عن جابر رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتمس النار مسلماً رآنی او رای من رآنی (ترمذی)۔

۱۰۔ اصول حدیث کا قاعدہ کلیہ "الصحابۃ کلھم عدول"

(د) صحابہ کرام کی مقدس اور پاکیزہ جماعت کے کسی فرد کو ہدف تنقید بنانا یا اس کی دینی حیثیت کو مجروح کرنے کے ساتھ ساتھ اسے برا بھلا کہنا قطعاً حرام اور بدترین اکبر الفواحش ہے

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اسی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں[۱]

قال القاضی وسب احدھم من المعاصی والکبائر ومذھبنا و مذھب الجمھور انہ لایعزر و لایقتل وقال بعض المالکیہ یقتل۔

قاضی فرماتے ہیں کہ کسی صحابی کو برا بھلا کہنا معصیت اور گناہ کبیرہ ہے اس سلسلے میں ہمارا اور جمہور امت کا مذہب یہ ہے کہ ناقد وشاتم کو قتل تو نہ کیا جائے لیکن درے لگائے جائیں جب کہ بعض مالکیہ اس کے قتل کا فیصلہ کرتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق کوفہ کے فقہاء کی ایک جماعت نے بھی مالکیہ کی طرح ایسے شخص کے قتل کا فیصلہ کیا ہے[۲]۔

---

[۱] مسلم شریف جلد ثانی شرح نووی صفحہ ۳۱۰ [۲] ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کا خمینی اور اثنا عشریہ نمبر ماہ صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ صفحہ ۱۳۵ ۔

اس کے بعد ناقد وشاتم کے درجہ کی وضاحت اور اس کے حکم کی تصریح کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنی کتاب الصارم المسلول میں فرماتے ہیں:۔

وقال القاضی ابو یعلی الذی علیہ الفقہاء فی سب الصحابۃ ان کان مستحلا لذلک کفر وان لم یکن مستحلا فسق ولم یکفر سواء کفرھم او طعن فی دینھم مع اسلامھم[۱]

قاضی ابو یعلی نے فرمایا اس مسئلہ پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی بدبخت صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرے اس کو جائز سمجھ کر تو وہ کافر ہے اور اگر جائز نہیں سمجھتا محض گناہ ہی جانتا ہے تو کافر تو نہیں ہوگا لیکن فاسق اور سخت قسم کا گناہ گار ہوگا خواہ یہ گستاخی یہ ہو کہ ان کو کافر کہے یا ان کو مسلمان مانتے ہوئے ان کی دینی حیثیت کو مجروح کرے اور ان کو بد دین کہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء نے یہ صراحت کی ہے کہ ہر کافر کی توبہ دنیا و آخرت میں مقبول ہے لیکن اس کافر کی توبہ مقبول نہیں جس نے نبی یا شیخین کو سب وشتم کرکے کفر اختیار کیا ہو[۲]۔

سوال نمبر ۳۲:۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَلَا إِنِّی أَبْرَأُ إِلٰی کُلِّ خَلِیْلٍ مِنْ خُلَّتِہٖ وَلَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا، اِنَّ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلُ اللّٰہِ قَالَ وَکِیْعٌ یعنی نفسہ۔

(الف) اعراب لگا کر مطلب خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب) خط کشیدہ الفاظ کی تشریح کیجئے۔

(ج) حضرت صدیق اکبرؓ کی مختصر مگر جامع سوانح عمری تحریر فرمائیے۔

جواب سوال نمبر ۳۲:۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا روایت ملاحظہ کیجئے۔ حضرت عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جان رکھو کہ میں ہر ایک (انسان) قسم کے دوست کی دوستی سے بالکل بے نیاز ہوں (اور نہ ہی

---

[۱] ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کا خمینی اور اثنا عشریہ نمبر ماہ صفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ ص ۹۵۔
[۲] ترمذی شریف جلد ثانی ص ۲۲۷ حاشیہ نمبر ۱۔

کسی انسان کو دوست بنانا میرے لئے مناسب ہے لیکن) اگر (بالفرض) میں کسی کو دوست بناتا تو یقیناً ابوبکر ہی کو بناتا (لیکن دوست بنانے کی اسلئے ضرورت نہیں کہ) تمہارے اس صاحب (امام وکیع فرماتے ہیں کہ یہاں آپؐ نے خود کو مراد لیا ہے) کو اللہ نے دوستی کا شرف بخشا ہے اور وہ صرف اللہ کا دوست ہے۔

(ب) ولو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر۔

اس کے ذیل میں مولانا ساجد صاحب لکھتے ہیں:۔

مطلب یہ ہوگا اگر میرے لئے یہ بات جائز ہوتی کہ میں کسی کو اس شان کیساتھ محبوب اور دوست بناؤں کہ اس کی محبت میرے دل میں گھر کر جائے اور میرے دلی راز و نیاز اس پر بے حجاب ہو جائیں تو میں ابوبکر کو پسند کرتا کہ ان کو اس شان کے ساتھ محبوب اور دوست بناؤں لیکن چونکہ ان خصوصیات کیساتھ میں نے صرف اللہ کو دوست بنایا ہے اسلئے خلق مخلوق میں اس شان و صفات کے ساتھ کوئی دوست نہیں [۱]

ان صاحبکم خلیل اللہ،

امام وکیع فرماتے ہیں کہ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب سے خود کو مراد لیا ہے نیز سیاق وسباق سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنائیت اور کسر نفسی کے طور پر اپنا بلند نام و مرتبہ ظاہر نہیں کیا بلکہ مربی و محسن ہونے کی حیثیت سے اپنے کو صحابہ کرام رضی کا محض مصاحب قرار دیا۔

تو مطلب یہ ہوا کہ جب میں اللہ کا خلیل اور اس کا دوست ہوا اور رب جلیل نے مجھے اپنی خلت سے نوازا دوستی کے عظیم منصب پر فائز کیا اور طرح طرح کے انعامات و اکرام کی بارش کی تو میرے لئے یہ مناسب نہیں کہ اپنے دل میں اس کی خلت کے علاوہ کسی انسان کو جگہ دوں اور اس کے ساتھ ساتھ کسی اور کو بھی رفیق و خلیل ٹھہراؤں۔

خلیل اللہ کے الفاظ سے اس مسئلہ پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کے محبوب اور اس کے خلیل ہیں۔

(ج) "نسل انسانیت کا عطر و جوہر ملت اسلامیہ کا دل و دماغ عالم اسلام کا فقید المثال خلیفہ

---

[۱] کشف الحاجہ ص۹۶ ۱۲

دنیا کے انسانی کالاثانی مدبر و قائد اپنے جان و مال کی آزمائش کی آگ میں پھونکنے والے قدم قدم پر نبی کی رفاقت کرنے اور باطل کے خلاف مسلسل برسر پیکار رہنے والے اس عظیم انسان کا نام عبداللہ بن ابی قحافہ کنیت ابوبکر ماں کا نام سلمی بنت صخر اور لقب صدیق و عتیق تھا اگرچہ جاہلیت میں اسے عبدالکعبہ سے بھی موسوم کیا گیا لیکن اس دودھ کے دھلے انسان کو یہ مشرکانہ نام قطعاً راس نہ آیا جس کی فطرت میں اطاعت کوٹ کوٹ کر بھری تھی طبیعت میں شرک سے تنفر اور دل و دماغ میں بیداری رچی بسی تھی اور جس کا سلسلہ نسب محض چھ پشتوں پر ہی نبی آخرالزماں سے جا ملتا ہے۔

جب مکہ میں صدائے نبوت گونجی جب امانت و دیانت کے پیکر ایک امی نے دعوائے نبوت کیا اور انسانیت کی فطرت کو للکارا جب اس نے تمام قومی غرور اصنام و شرور کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور جب باطل کی کوہ کنی اور طاغوت پر تیشہ زنی کیلئے ایک یتیم تن تنہا ہی میدان عمل میں آگیا تو صدیق اکبر بھی بلا پس و پیش ابتلاء و آزمائش کے اس کھولتے سمندر میں کود پڑے اور بے خوف و خطر مستقبل سے بے پرواہ ہو کر انھوں نے جس طرف خیر دیکھی اپنی جان کو جوکھم میں ڈالتے ہوئے اس طرف بڑھتے ہی چلے گئے اور نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و فکر اور ان کے مشن کی تبلیغ کیلئے وقف ہو گئے۔ مشرکین نے طعنے دیئے فقرے چست کئے الزامات لگائے بہتان طرازیاں کیں مذاق اڑایا نبی کے ساتھ مارا اور خون میں نہلایا حتی کہ معاشرتی بائیکاٹ تک کر دیا لیکن اس مرد آہن کے پائے استقلال میں جنبش تک نہ ہوئی جس کو قدرت نے نبی کی ولادت کے دو سال بعد ہی اس کی رفاقت کیلئے ۵۷۳ء میں دنیا میں بھیج دیا تھا اور جس کو تمام اوصاف حمیدہ لیاقت و صلاحیت کا ایسا مجموعہ بنایا تھا کہ جاہلیت میں قریش نے اسے اپنا قاضی و والی بنایا مسلمانوں نے نبی کی مسند خلافت پر بٹھایا اور خداوند قدوس نے انبیاء کے بعد سب سے عظیم انسان ہونے کے شرف سے نوازا اور جس کی فطرت اتنی پاکباز تھی کہ حق گوئی، سخاوت، خداترسی، رحمدلی و نرمی اس کے ممتاز اوصاف تھے اور زمانہ جاہلیت میں بھی کبھی شراب اس کے لبوں کو نہ چھو سکی جس کی ایمانی شجاعت و بسالت اتنے عروج پر تھی کہ جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جھونپڑی کی پہرہ داری کیلئے وہ اکیلا ہی تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا اور کسی طاغوت کے بندے باغی فطرت کو قریب تک نہ پھٹکنے دیا اور جب وفات نبوی کے وقت کفر و ارتداد کی وبائیں پھوٹیں تو ان زہریلے عناصر پر وہ شیر کی طرح گرجا اور بادل کی طرح کڑکا اور ایک سال سے پہلے ہی اس شیطانی فتنہ اور طاغوت کے منصوبے کی بساط لپیٹ دی یہی اپنے وقت

کا ایسا حاتم تھا کہ اپنے مال کو راہ دین میں پانی کی طرح بہایا ہزاروں مسلمانوں کو فائدہ پہونچایا سینکڑوں غلاموں کو آزاد کرایا اور بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا اور اتنا خرچ کیا کہ آپ بھی آخر آخر تک ان کے جان و مال سے نفع محسوس کرتے رہے اور برابر شکر گذار رہے۔

لیکن طاغوت کا زور توڑ کر شیطان کا پنجہ موڑ کر ۲۳ جمادی الثانی ۱۳ھ کی درمیانی شب میں جب اس دریادل انسان نے دنیا سے کوچ کیا تو ایک تاریخی مثال قائم کرتے ہوئے اپنے تین لڑکوں تین لڑکیوں اور تین بیویوں کے علاوہ دیگر ورثار کیلئے ایک پرانا پیالہ ایک دبلی اونٹنی اور ایک پھٹی پرانی چادر ترکہ میں چھوڑی اور اس دار فانی میں ۶۳ بہاریں گذار کر ایمان و یقین، صداقت و امانت اور نور ہدایت کا یہ عظیم پیکر اپنے اس آقا کے پڑوس میں جاسویا جس کی تادم حمایت و نصرت کا وعدہ کر رکھا تھا اور دنیا کو بتادیا کہ محبت اسے کہتے ہیں کہ سلسلہ ہی ایک شہر کو چھوڑا دوسرے کو مسکن بنایا ایک دوسرے کے دکھ درد کو جھیلتے ہوئے بھی رفاقت و مصاحبت قائم رہی اور بالآخر قیامت تک کیلئے اسی کے جوار رحمت میں ابدی نیند سوگیا۔[1]

ذیل میں اسی سلسلے کی چند احادیث درج کی جاتی ہیں:۔

۱۔ عن انس رض قال قیل یارسول الله ای الناس احب الیک قالت عائشة رض قیل من الرجال قال ابوها (ابن ماجه)

۲۔ عن ابی هریرة رض قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اما انک یا ابابکر اول من یدخل الجنة من امتی (ابوداؤد)

۳۔ عن حذیفة بن الیمان رض قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انی لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر (ترمذی)

۴۔ عن عائشة رض قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا ینبغی لقوم

---

[1] صدیق اکبر رض کے حالات کو قلمبند کرنے میں تاریخ اسلام جلد اول سے مدد لی گئی ہے اور حتی الامکان یہ کوشش کی گئی ہے کہ صدیق اکبر رض کی پوری زندگی اس مختصر مضمون میں سمٹ آئے۔

فیھم ابوبکر ان یؤمھم غیرہ۔

۵- عن ابن عمرؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لابی بکر انت صاحبی فی الغار وصاحبی علی الحوض (ترمذی)

سوال ۳۳:۔ عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَنْ یُصَافِحُہُ الْحَقُّ عُمَرُ وَاَوَّلُ مَنْ یُسَلِّمُ عَلَیْہِ وَاَوَّلُ مَنْ یَاْخُذُ بِیَدِہٖ فَیُدْخِلُہُ الْجَنَّۃَ

(الف) اعراب لگائیے اور ترجمہ کیجئے۔

(ب) حضرت عمرؓ کی مختصر سوانح عمری تحریر فرمایئے۔

(ج) "اول من یصافحہ الحق الخ" کی مختلف توجیہات پیش کرنے کے بعد بتائیے کہ کیا "الحق" سے ذات خداوندی بھی مراد لی جاسکتی ہے۔ نفی واثبات میں جو جواب لکھیں مدلل لکھیں۔

جواب سوال ۳۳:۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابی کعبؓ فرماتے ہیں کہ (قیامت میں) جس انسان سے حق سب سے پہلے مصافحہ کرے گا وہ عمر ہوں گے اور عمر ہی کو سب سے پہلے حق سلام کرے گا اور انھیں کا ہاتھ پکڑ کر سب سے پہلے جنت میں داخل کرے گا۔

(ب) "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مکی زندگی میں اسلام کے اقبال وعروج اس کی شان وشوکت اور اس کی قوت وعظمت کیلئے برابر یہ دعا فرمایا کرتے تھے "اللھم اعز الاسلام بعمر" اے اللہ عمر کے ذریعہ اسلام کو عزت وطاقت عطاء فرما۔

یہ دعا آپ اس رعب ودبدبہ کے مالک عظمت وصلابت کے مینارے اور شجاعت وبسالت کے اس پہاڑ کیلئے مانگا کرتے تھے جو ہجرت نبوی سے چالیس سال قبل خطاب بن نفیل کے غریب گھرانے میں پیدا ہوا تھا جس کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں جاکر آپ سے مل جاتا ہے جس کا بچپن ولڑکپن اونٹوں اور بکریوں کے چرانے میں گذرا، جوانی میں سپہ گری پہلوانی شہسواری اور سفارت میں اہم مقام پیدا کیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انا النذیر العریان کی آواز لگائی لا الہ الا اللہ کی صدائیں بلند کیں اور شرک وبت پرستی کے خلاف علی الاعلان جہاد شروع کیا تو کفار مکہ کی طرح یہ بھی بھڑک اٹھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تردید وتکذیب کیساتھ نعوذ باللہ آپ کے قتل تک کا ارادہ کرلیا لیکن ان کی زندگی کا یہی خطرناک ارادہ بہن وبہنوئی کے ایمان و

خون کی حرارت سے ایک خوشگوار واقعہ بن کر ایمان کی جانب کھینچ لایا اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش میں آگرے ان کا اسلام لانا تھا کہ مسلمانوں کی اللہ اکبر کی صداؤں سے ابو قبیس کی چوٹیاں گونج اٹھیں۔

فاروق اعظم کے اسلام سے پہلے مسلمان اپنے ایمان کو چھپائے پوشیدہ طور پر نمازیں پڑھتے اور چھپ چھپ کر وحی الٰہی کے مطابق عمل کرتے لیکن عمر رضؓ نے اسلام لانے کے بعد کافروں سے جنگ وجدال کیا اور اتنی معرکہ آرائیاں کیں کہ مجبور ہو کر کفار مکہ کو مسلمانوں کو بیت اللہ میں نماز پڑھنے کی اجازت دینی پڑی۔

ہجرت کی اجازت نازل ہونے کے بعد جب کمزور مسلمان چھپتے چھپاتے ہجرت کرنے لگے اور پوشیدہ طور پر یثرب کی جانب کوچ کرنے لگے تو فاروق اعظم نے تلوار سنبھالی ترکش ہاتھ میں لیا اور کفار کی غیرت کو للکارتے ہوئے علی الاعلان ہجرت کی کسی بھی بدباطن کو اس شیر ببر کے چھیڑنے کی ہمت نہ ہوئی۔

اپنے ایمانی عہد کو نباہتے ہوئے ہر ہر قدم ہر ہر غزوہ میں آنحضرتؐ کیساتھ ساتھ رہے دربار رسالت سے فاروق کا خطاب ملا نیز جنگ بدر کے اساری مسئلہ حجاب اور ابن ابی کی نماز جنازہ کے سلسلے میں بذریعہ وحی آپ کی رائے عالی کی تصویب فرمائی گئی اسی کی بناء پر رسول اللہؐ نے فرمایا " ان اللہ وضع الحق علیٰ لسان عمر " اور آپکی جامع صفات کے پیش نظر لسان نبوی سے یہ کلمات جاری ہوئے " لو کان بعدی نبی لکان عمر "۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صدیق اکبر رضؓ کے مشیر خاص ان کے دست راست بنے رہے اور اپنی ذہانت وذکاوت سے خلافت کی بنیادیں مضبوط سے مضبوط تر کرتے رہے جب صدیق اکبر رضؓ نے اپنی وفات سے پہلے انھیں خلیفہ نامزد کیا مسلمانوں نے ان کو اپنا امیر تسلیم کرتے ہوئے بعیت کی تو اسلام کے عروج واقبال میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا اور فتوحات کا تو گویا سیلاب امنڈ پڑا مسلمانوں کی ایسی زبردست بے مثال حکومت کی بنیاد پڑی جو بیک وقت عراق ایران خراسان وبلوچستان شام وفلسطین اور مصر وآرمینیا کا احاطہ کئے ہوئے تھی اور جس کا رقبہ ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل تھا۔

۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ چہار شنبہ کا وہ منحوس دن تھا جب ابولؤلؤ فیروز بدبخت نے آپ پر قاتلانہ حملہ کیا اور لگاتار چھ وار کئے یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو یہ بے مثال قائد اپنے وارثوں کو روتا بلکتا عالمِ اسلام کو غمگین چھوڑ کر اپنے دونوں بچھڑے ہوئے ساتھیوں سے جا ملا نماز جنازہ صہیب رومی رضؓ نے پڑھائی حضرت عثمان عبدالرحمٰن بن عوف علی زبیر اور آپ کے بیٹے عبداللہ بن عمر نے روضہ اقدس میں بائیں جانب سپرد خاک کیا اور یوں اسلام کا وہ درخشاں ستارہ غروب ہو گیا جس کے دم سے اسلام کی شان و شوکت قائم تھی جس کی ایمانی شعاعوں سے روم و ایران کی آنکھیں خیرہ ہو چکی تھیں تعلیمات الٰہی کا وہ امین اٹھ گیا جس سے قرآن و حدیث کے غلغلے اور محراب و منبر پر رونق تھے شریعت محمدی کا وہ پاسباں رخصت ہو گیا جس سے شیطانوں اور دجالوں کے پتے پانی ہوا کرتے تھے ملتِ اسلامیہ کا وہ شیر سو گیا جس کی ہیبت سے یہودیوں عیسائیوں رومیوں اور ایرانیوں کی نیندیں حرام ہو جاتی تھیں۔[1]

علماء کی ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ حق سے مراد وہ فرشتہ ہے جس کو صاحب الحق کہا جاتا ہے اور جس کی وساطت سے رب جلیل الہامات کو عباد صالحین کے قلوب تک القاء کرتے ہیں علامہ ابن حجرؒ کی بھی یہی رائے ہے۔

اہل علم کے ایک طبقہ کا یہ خیال ہے کہ حدیث باب میں حق سے باطل کی ضد مراد ہے اور سلام و مصافحہ سے حضرت عمر اور حق کی باہمی مقاربت اور انسیت کو بطور تشبیہ تعبیر کیا گیا ہے یعنی حق ان کے رگ و ریشہ اور گوشت پوست میں رچ بس گیا ہے اور وہ حق بات کے علاوہ کچھ نہیں کہتے علامہ سید انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ کی بھی یہی رائے ہے۔

ان توجیہات کے بعد اس کی بھی وضاحت ضروری ہے کہ حق سے مراد ذات خداوندی کو بھی لیا جا سکتا ہے حضرت مولانا رحمت اللہ لکھنوی نے جامع المناقب[2] میں حق کا ترجمہ اللہ تعالیٰ ہی سے کیا ہے اور الحق بذات خود اسم الٰہی بھی ہے نیز قرآن و حدیث میں بیشتر مقامات پر خداوند قدوس پر حق کا اطلاق کیا گیا ہے واضح رہے کہ حافظ ذہبی اور علامہ کشمیری کی تصریح کے مطابق یہ حدیث موضوع ہے۔

---

[1] حضرت عمر کی سوانح میں تاریخ اسلام جلد اول سے مدد لی گئی ہے [2] دیکھئے جامع المناقب ص ۱۱۵ اس کے علاوہ حضرت مولانا ریاست علی صاحب نے اپنے درس ابن ماجہ میں تصریح کی تھی کہ یہاں ذات خداوندی مراد لی جا سکتی ہے۔ احقر نے مزید اطمینان کیلئے بحر العلوم حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب کی طرف رجوع کیا تو مولانا موصوف نے بتایا کہ اور اقوال کے بالمقابل یہاں ذات خداوندی کو مراد لینا زیادہ راجح ہے۔

سوال ۳۴ :۔ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ رضؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ لِعَلِیٍّ رضؓ اَلَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی۔

(الف) اعراب لگا کر حدیث پاک کا ترجمہ کیجئے اور حدیث کے شان ورود پر مختصر روشنی ڈالئے۔

(ب) روافض امامیہ اور شیعہ نے اس حدیث سے شیخین کی خلافت کے بطلان پر استدلال کیا ہے آپ اس حدیث کا صحیح محل اور توجیہ لکھئے اور شیخین کی خلافت کو دلائل سے ثابت کیجئے۔

(ج) حضرت علی رضؓ کی زندگی پر اختصار سے روشنی ڈالئے اور ان کے مناقب میں وارد کم از کم تین احادیث سپرد قلم کیجئے۔

جواب سوال ۳۴ :۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ سے فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے، جو ہارون ؑ کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔

ماہ رجب ۹ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار کا لشکر لے کر ہرقل کے مقابلہ کیلئے تبوک روانہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مصلحتوں کے پیش نظر اپنے گھر بار کی حفاظت و نظامت کیلئے حضرت علی رضؓ کو مدینہ منورہ ہی میں چھوڑ دیا اور تمام صحابہ کو لیکر تبوک کا رخ کیا ادھر مدینہ میں منافقین نے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو بار سمجھ کر یہاں چھوڑ دیا آپ کو علی رضؓ سے کوئی خاص لگاؤ نہیں حضرت علی رضؓ یہ طعنہ سن کر نہایت مغموم و دل برداشتہ ہوئے اور مسلح ہو کر بڑی تیزی سے نکلے اور ایک کوس کے فاصلہ پر مقام الجرف میں اسلامی لشکر سے جا ملے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منافقین کے پروپیگنڈہ کی تفصیل کہہ سنائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر فرمایا منافقین جھوٹے ہیں میں نے تم کو اپنے گھر بار کی حفاظت کیلئے مدینہ میں چھوڑا ہے اور تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون ؑ کو موسیٰ ؑ سے تھی (کیوں کہ موسیٰ ؑ جب طور پر گئے تو اپنے گھر بار اور امت کی حفاظت کیلئے ہارون ؑ کو نامزد کر گئے) فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں [۱]

(ب) علماء حق فرق باطلہ کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے شیعوں کا استدلال خلافت

---

[۱] تاریخ اسلام جلد اول ص ۲۱۹

بعد النبی علی کا حق تھی قطعاً درست نہیں کیوں کہ حضور ﷺ نے اپنی عدم موجودگی میں صرف غزوہ تبوک کے موقع پر علی کو اپنا جانشین و والی بنایا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی غیر موجودگی میں حضرت ہارون ؑ کو خلیفہ بنایا تھا وہ نہ صرف موسیٰ علیہ السلام کے بعد خلیفہ نہیں ہوئے بلکہ موسیٰ علیہ السلام سے چالیس سال پہلے ہی وفات پا گئے تو جب مشبہ بہ خلیفہ نہ بنا تو مشبہ کو کس طرح خلیفہ قرار دیا جا سکتا ہے نیز اگر یہ عارضی خلافت و جانشینی خلافت کبریٰ کی دلیل ہے تو پھر عبداللہ ابن ام مکتوم کو بھی خلافت و امامت ملنی چاہئے کیوں کہ ان کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی غیر موجودگی میں خلیفہ و جانشین بنایا ہے۔ جلیل القدر محدث و مفسر حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی اس حدیث کے تمام اشکالات کو رفع کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"پس بادشاہ کا دار السلطنت سے نکلتے وقت تا واپسی کسی کو وقتی طور پر نائب السلطنت مقرر کر جانا اس امر کی دلیل نہیں کہ بادشاہ کی وفات کے بعد بھی وہ شخص بادشاہ ہوگا تو خلافت و نیابت محض خانگی امور اور اہل و عیال کی نگرانی سے متعلق ہے اس کو خلافت کبریٰ کی دلیل بنانا کمال ابلہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو کسی نہ کسی کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر جاتے اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو وہ قائم مقامی خود بخود ختم ہو جاتی۔ کسی فرد بشر کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں گذری کہ وہ ان صحابہ کی وقتی خلافت اور عارضی نیابت کو ان حضرات کی خلافت بلا فصل اور امامت کبریٰ کی دلیل سمجھا رہا یہ امر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت علی کو حضرت ہارون علیہ السلام کیساتھ تشبیہ دی ہے سو ہم یہ عرض کریں گے کہ اس تشبیہ سے بے شک ایک قسم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے لیکن تشبیہ کے تمام امور میں مساوات لازم نہیں اس حدیث میں اگر حضرت علی رضؓ کو حضرت ہارون ؑ کے ساتھ تشبیہ دی گئی تو اسارائے بدر کے بارے میں جب آپ نے صحابہ کرام ؓ سے مشورہ کیا تو اس وقت آپ ؐ نے ابوبکر صدیق رضؓ کو حضرت ابراہیم ؑ اور

لہ سیرت مصطفیٰ۔

حضرت عیسیٰ کیساتھ تشبیہ دی اور حضرت عمر رض کو حضرت نوح اور حضرت موسیٰ کیساتھ تشبیہ دی جیسا کہ غزوہ بدر کے بیان میں مفصل گذرا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی کو نوح علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دینا "انت بمنزلۃ ھرون من موسی" کہنے سے کہیں زیادہ بالا اور برتر ہے"

اس تفصیل و توجیہ کے بعد اب ذیل میں شیخین کی خلافت و نیابت کے دلائل قلمبند کئے جاتے ہیں :-

۱- عن حذیفۃ رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی واشار الی ابن بکر رض وعمر رض

(ترمذی و ابن ماجہ)

۲- عن عائشۃ رض قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ینبغی لقوم فیھم ابی بکر ان یؤمھم غیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ علالت میں صدیق اکبر رض نے امامت کے فرائض انجام دیئے اور اسی بناء پر حضرت عمر رض نے صدیق اکبر رض سے کہا قدملک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی امر دیننا فمن الذی یؤخرک فی دنیانا"

۳- لوکان بعدی نبی لکان عمر۔

۴- عن انس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر و عمر سید اکھول اھل الجنۃ من الاولین والآخرین الا النبیین والمرسلین۔

یہ روایت انبیاء و رسل کے بعد سب سے افضل ابوبکر رض و عمر رض کو قرار دیتی ہے لہذا خلافت بعد النبی کے بھی وہی مستحق ہیں۔

(ج) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و پکار پر جہاں صدیق اکبر، خدیجۃ الکبری اور زید بن حارثہ نے لبیک کہتے ہوئے اپنے اپنے طبقہ میں اول الاسلام کا اعزاز و خطاب حاصل کیا وہیں ہاشمی خاندان کا ایک معصوم بچہ عہد طفولیت ہی میں اپنے خاندان و معاشرہ سے بغاوت کرکے رسول ہاشمی کے دامن سے ہمیشہ کیلئے وابستہ ہوگیا اور اپنے ہم عمروں میں سب سے پہلے اسلام و ایمان لانے کی سعادت سے مشرف ہوا جس کا نام علی بن ابی طالب کنیت ابوالحسن اور دربار رسالت سے ملا لقب ابو تراب تھا جو ایمانی شمائل کے ساتھ ظاہری جسامت میں بھی میانہ قد اور دوہرے بدن کا حامل تھا۔

ذرا سوچئے تو سہی جب باد مخالف سے بڑے بڑے سورماؤں کے قدم اکھڑ رہے تھے جب طوفان کے آثار دیکھ کر اچھے اچھے خوفزدہ ہو رہے تھے جب پہلوانوں اور بہادروں کی ہمتیں جواب دے

رہی تھیں اور ایمان لانا گویا عرب وعجم سے دشمنی مول لینا موت کو دعوت دینا تھا تو ایسے سنگین حالات میں ایک دبلے پتلے بچے کے اندر کہاں سے یہ ہمت آگئی کہ خونی کا تیر سہنے معاشرہ میں اچھوت بننے کیلئے وہ نبی امی کیساتھ ہو لیا اور اس دعوت کو فوراً قبول کر لیا جس کی مخالفت ہر عربی بڑے بچے کی ذمہ داری تھی اور جس کو قبول کرنے سے اس کے خاندان کے بڑے بوڑھے صاف انکار کر چکے تھے اور پیغمبر آخر الزماں کی اتباع محبت وعقیدت میں وہ اتنا سخت جان ثابت ہوا کہ ہر نشیب و فراز میں وہ نبی کی رفاقت نباہتا رہتا تھا مکہ کی تیرہ سالہ قیامت سوز زندگی میں جو تیر نبی پر داغے گئے شیطان کے توپ خانوں سے جو دائی حق پر بمباری کی گئی فاطمہ بنت اسد کا سپوت کا چچازاد بھائی اور لاڈلا داماد علی مرتضیٰ رضی بھی اس سے گھائل ہوئے بغیر نہ رہ سکا مزید یہ کہ ہجرت کے موقعہ پر بلا چون وچرا اس بستر پر لیٹ گیا جو صبح کو مقتل بننے والا تھا ان قربانیوں کی بدولت قدرت نے اس کے بازوؤں میں وہ فولادی طاقت عطا کی جو اس شیر خدا سے ٹکرایا پس گیا جو مقابلہ پر آیا لرز گیا اور جس نے اس کو چیلنج کیا وہ خاک وخون میں تڑپ کر رہ گیا اور اسلام کی غزوہ تبوک کے علاوہ ہر ہر جنگ میں اس نے اپنی عقاب کی سی بے باکی اور گرجناک آواز سے کفار کے دل دہلا دیئے بڑے بڑے سورماؤں کی صفیں الٹ دیں۔

۱۶ رمضان المبارک بروز جمعہ سنہ ۴۰ھ میں خوارج کی منصوبہ بند سازش کے تحت عبدالرحمٰن ابن ملجم خبیث نے اس خیر وہدایت شجاعت وبسالت کے پیکر خلیفہ رابع پر فجر کی نماز کے وقت مسجد میں قاتلانہ حملہ کیا لیکن اس زخم اور شدید تکلیف کے باوجود آپ پورے دن بقید حیات رہے اور دوسرے دن ۱۷ رمضان المبارک بروز سنیچر سنہ ۴۰ھ میں اس دار فانی سے کوچ کر کے امت کو داغ مفارقت دے گئے اور یوں خلافت راشدہ کی کتاب اور اس کا وہ روشن باب بند ہو گیا جو عہد صدیقی سے برابر کھلا ہوا تھا جس میں روزانہ بے شمار فتوحات کا اندراج ہو رہا تھا مسند خلافت خالی اور بزم دین اس کے اٹھ جانے سے سونی ہو گئی جس کی بہادری مسلم اور جس کی قائدانہ صلاحیتوں کی دنیا معترف رہی جو حق وصداقت کی خاطر طوفانوں کا رخ موڑنے اور چٹانوں سے ٹکرانے کا حوصلہ رکھتا تھا۔ جو باطل کیلئے شمشیر برہنہ اور اعدائے اسلام کیلئے خدائی قہر تھا۔

ہزار ہا ہزار رحمتیں ہوں اس بندے پر جس نے اپنے زمانہ طفولیت وشباب نیز کہولت کو اسلام کیلئے وقف کر دیا اور ہزار ہا ہزار لعنت ہو اس خبیث پر جس نے عالم اسلام کو ایسے خدا ترس بیدار مغز اور شیر دل خلیفہ سے محروم کر دیا۔

اے خدا کے شیر الوداع، اے خلیفہ رابع الوداع

حضرت علی رضؓ کے مناقب میں وارد ہوئی احادیث:۔

۱- عن زر بن جیش قال قال علی رضی اللہ عنہ والذی فلق الحبۃ وبرأ النسمۃ انہ لعھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیّ ان لایحبنی الا مومن ولایبغضنی الا منافق (مسلم)۔

۲- عن عمران بن حصین رضؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان علیاً منی وانا منہ وھو ولی کل مؤمن (ترمذی)

۳- عن ابن عمر رضؓ قال آخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین اصحابہ ملجاء علی تدمع عیناہ فقال آخیت بین اصحابک ولم تواخ بینی و بین احد، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انت اخی فی الدنیا والآخرۃ (ترمذی)۔

۴- قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی رضؓ الا ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لانبی بعدی (متفق علیہ)

۵- عن ام عطیۃ رضؓ قالت بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیشاً فیھم علی رضؓ قالت فسمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو رافع یدیہ یقول اللّٰھم لا تُمِتنی حتی تُرِیَنی علیاً (ترمذی)

سوال ۳۵ :۔ عن علی رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَو کُنتُ مُستَخلِفاً اَحَداً عَن غَیرِ مَشوَرَۃٍ لَاستَخلَفتُ اِبنَ اُمِّ عَبدٍ

(الف) اعراب وترجمہ کے بعد بتائیے کہ ابن ام عبد کون ہیں؟

(ب) روایت مذکورہ کے استخلاف کے بارے میں واضح کریں کہ اس کا تعلق خلافت عالیہ سے ہے یا کسی بھی جگہ جانشینی مقرر کرنے کیلئے مشورہ ضروری ہے؟

(ج) اگر ابن ام عبد قریشی نہیں تو "الائمۃ من قریش" کی صراحت کے باوجود ان کے استخلاف کی بات کیوں مذکور ہوئی؟

جواب سوال ۳۵ :۔ (الف) اعراب کیلئے مذکورہ بالا حدیث دیکھئے۔

حضرت علی رضؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں بلا مشورہ کسی کو خلیفہ بناتا تو صرف ابن ام عبد کو بناتا۔

ابن ام عبد سے عبد اللہ بن مسعود مراد ہیں آپکی کنیت ابو عبد الرحمٰن اور والدہ کا نام ام عبد تھا زمانہ جاہلیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزہ سے متاثر ہو کر ابتدائے اسلام ہی میں ایمان لے آئے اور سابقین اولین میں ان کا شمار ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی ستر سورتوں کی تعلیم حاصل کی اور تقریباً تمام ہی غزوات میں شریک رہے نیز اسلام کے فرعون ابو جہل کا ناپاک سر آپ نے ہی اس کے جسم سے جدا کیا تھا ۲۰ھ میں فاروق اعظم رض نے انھیں کوفہ کا قاضی و والی نامزد کیا کوفہ کے تمام علماء بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ ہی کی عظیم شخصیت کے مرہون منت ہیں آپ حضرت عثمان رض کے دور خلافت میں اور اپنی آخری عمر میں مدینہ منورہ واپس چلے آئے اور ۳۲ھ میں انتقال کیا رات کے وقت جنت البقیع میں سپرد خاک کیا گیا انتقال کے وقت آپکی عمر ساٹھ سال سے متجاوز تھی (رضی اللہ عنہ)۔

(ب) امام توربشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں خلافت عالیہ کبریٰ مراد نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی لشکر پر امیر بنانے یا کسی خاص جزئی کام کا پیشوا و نائب بنانے کا ارادہ کیا ہے۔ کیونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رض عالم جلیل، حبر الامہ اور صاحب مناقب و فضائل ہونے کے باوجود قریشی نہیں ہیں اور خلافت عالیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "الائمۃ من قریش" کی رو سے خلیفہ کا قریشی ہونا شرط ہے لہٰذا اس حدیث سے خلافت عالیہ مراد لینا درست نہیں۔

کسی لشکر پر امیر بنانے یا کسی بھی جگہ جانشین مقرر کرنے کیلئے امام کیلئے مشورہ ضروری نہیں بلکہ مستحب ہے اور یہ امام کی صوابدید پر منحصر ہے کہ وہ جس کو مفید و مناسب سمجھے اسے جانشین اور قاضی وغیرہ مقرر کر دے حدیث باب میں "بغیر مشورۃ" کی صراحت اسلئے ہے کہ آپ کو عبد اللہ بن مسعود کی صلاحیتوں اور خدا ترسی پر اتنا اعتماد ہے کہ انھیں خلیفہ و جانشین مقرر کرنے کیلئے کسی خاص مشورہ کی ضرورت نہیں اور دنیاوی امور میں عدم مشورہ سے عموماً جو نقصانات ہوا کرتے ہیں عبد اللہ بن مسعود رض کے بارے میں ان خطرات و وساوس کا کوئی امکان نہیں تو اس صورت میں ان کے بارے میں مشورہ و عدم مشورہ دونوں برابر ہیں۔

(ج) جس طرح کہ تقدیر کے مسئلہ میں یہ تاویل کی جاتی ہے کہ نیکی و دعا کی اہمیت کی وضاحت کے لئے "لا یرد القضاء الا الدعاء، ولا یزید العمر الا البر" فرمایا گیا اسی طرح عبد اللہ بن مسعود رض کی عظیم شخصیت اور آپ کے علم و تفقہ نیز ان کی خداداد صلاحیتوں پر اپنا اعتماد ظاہر کرنے کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ ایسا کچھ عوارض کی بنا پر کروں گا تو نہیں لیکن اگر کرتا تو ابن مسعود رض کے حق میں کرتا۔

اور یہ بالکل ایسی ہی بات ہے جیسا کہ آپ نے صدیق اکبر رضؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا " لو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکرؓ "

اسی طرح ختم نبوت کو اجاگر کرنے اور فاروق اعظم کی شان ان کی رفعت وعظمت بتلانے کیلئے فرمایا گیا " لوکان بعدی نبی لکان عمرؓ " تو اس طرح کے فرض کئے ہوئے واقعات سے ان حضرات کی فضیلت ومنقبت ثابت ہوتی ہے اور فی نفسہٖ یہی مطلوب ہوا کرتی ہے۔

بعض حضرات کا یہ بھی خیال ہے کہ ابن مسعودؓ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد غالباً " الائمۃ من قریش " کی تصریح سے پہلے کا ہے۔

یاد رہے کہ یہ توجیہات جب ہی کی جائیں گی جب کہ حدیث باب سے بالفرض خلافت عالیہ مراد لی جائے ورنہ امام تورپشتی کی رائے اور ان کا فیصلہ نقل کرنے کے بعد کسی توجیہ کی ضرورت نہیں رہتی۔

سوال نمبر ۳۶ : سباب فی ذکر الخوارج

عن ابی سلمۃ قال قلت لابی سعید الخدریؓ ھل سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر فی الحروریۃ شیئا فقال سمعت یذکر قوما یتعبدون ویحقر احدکم صلوتہ مع صلوتھم وصومہ مع صومھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ اخذ سھمہ فنظر فی نصلہ فلم یر شیئا فنظر فی رصافہ فلم یر شیئا فنظر فی قدحہ فلم یر شیئا فنظر فی القذذ فتماری ھل یری شیئا ام لا۔

(الف) حدیث پاک پر اعراب لگا کر مطلب خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب) فرقہ خوارج کا تاریخ کی روشنی میں تعارف کرائیے۔

(ج) خط کشیدہ الفاظ کی تشریح کیجئے۔

جواب سوال نمبر ۳۶ : (الف) اعراب کیلئے اوپر کی حدیث دیکھئے۔

حضرت ابو سلمہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری رضؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے حروریہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ کہتے سنا ہے تو انھوں نے کہا (ہاں) میں نے آپکو ایک قوم کا تذکرہ کرتے سنا کہ وہ اتنی عبادت کرے گی کہ (اس کے ظاہر کو دیکھ کر) تم میں کا ہر ایک اس کی نماز کے مقابلہ میں اپنی نماز کو اور اس کے روزوں کے مقابلہ میں اپنے روزوں کو حقیر وکمتر سمجھے گا (لیکن حقیقت یہ ہوگی کہ) وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے (آگے ان کی بے دینی کی تمثیل ہے) مثلاً کوئی (شکاری) اپنے (پھینکے

ہوئے) تیر کو پکڑ کر اس کی نوک پر (شکار کا نشان) دیکھے لیکن وہاں کوئی چیز نظر نہیں آتی پھر تیر کے پٹھے کو دیکھے وہاں بھی بظاہر کوئی علامت نہیں پھر قدح کی جانب دیکھے تو وہاں بھی کوئی نشان نہیں تو اب وہ تیر کے پر کی طرف نظر کرتا ہے تو شبہ میں پڑجاتا ہے کہ یہ (شکار کا خون ہے یا نہیں) تو جس طرح تیر کے شکار سے نکلنے کے بعد کوئی علامت نہیں اسی طرح اس قوم کے اسلام وایمان سے نکلنے کے بعد کوئی دینی علامت تک نہ رہے گی اور وہ اسلام وایمان نیز دین و شریعت سے قطعاً ہاتھ دھو بیٹھے گی۔

(ب) جنگ صفین میں جب بہت زیادہ خون خرابہ ہوا اور دونوں ہی جانب سے مسلمانوں کا زبردست جانی ومالی نقصان ہوا اور جب حضرت علی رضؓ کے تحت لڑنے والے اشتر کے پے در پے حملوں سے شامی فوجوں کے قدم اکھڑنے لگے تو حضرت عمرو بن العاص رضؓ کی ایماء پر امیر معاویہ رضؓ کے حکم سے شامیوں نے اپنے نیزوں پر قرآن کریم کو بلند کیا اور زور زور سے کہنے لگے "ھذا کتاب اللہ بیننا وبینکم" ہمارے تمہارے درمیان یہ قرآن فیصلہ کرے گا چنانچہ حضرت علی رضؓ نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا صلح وصفائی کی جانب پیش رفت ہونے لگی اور دونوں جماعتوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ اور عمرو بن العاص رضؓ کو حکم مقرر کرنے کے بعد فیصلہ کیلئے انھیں چھ مہینے کی مہلت دی۔ اتنا ہونے کے بعد دونوں لشکروں نے اپنے اپنے کجاوے کسنے شروع کر دیئے اور کوچ کرنے کی تیاریاں ہونے لگیں حضرت امیر معاویہ رضؓ تو بآسانی اپنی قیام گاہ پہونچ گئے لیکن جب حضرت علی رضؓ نے ۱۳ر صفر ۳۷ھ کو کوفہ کا قصد کیا تو کچھ شرپسندوں نے آپکو دوبارہ شامیوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دلائی حضرت علی رضؓ نے اقرار نامے کے بعد اس بدعہدی اور عذر سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ فیصلہ کی میعاد تک ہمیں انتظار وتوقف کرنا چاہیئے آپ کے اس جواب سے مایوس ہو کر انھوں نے خروج وبغاوت کی ٹھانی اور کوفہ کے قریب اپنے ہم خیال بارہ ہزار کی جماعت کو لیکر حضرت علی رضؓ کے لشکر سے الگ ہو کر حروراء میں جا بسے عبداللہ بن الکواء کو اپنا امام اور شیث بن ربعی کو سپہ سالار مقرر کرنے کے بعد خوارج نے اپنے منشور کا اعلان کر دیا۔

"بیعت صرف خدائے تعالیٰ کی ہے اور سنت رسول اللہ صلعم کے مطابق نیک کاموں کا حکم دینا اور برے کاموں سے منع کرنا ہمارا فرض ہے کوئی خلیفہ کوئی امیر نہیں فتح حاصل ہونے کے بعد سارے کام مسلمانوں کے مشورے اور کثرت رائے سے انجام دیئے جایا کریں گے امیر معاویہ اور علی دونوں یکساں اور خطاکار ہیں۔"

اس اعلان کے بعد حضرت علی رضؓ انھیں سمجھانے کیلئے تشریف لے گئے اور بڑی کوشش کے
بعد ان کو دوبارہ کوفے لے آئے اور تمام حضرات حکمین کے فیصلے کا انتظار کرنے لگے۔
وقت تیزی سے گذرتا رہا فیصلہ کی تاریخ آپہونچی اور دونوں گروپ کے لوگوں نے فیصلہ
سننے کیلئے جائے مقررہ کی طرف کوچ کرنا شروع کر دیا لیکن جب حکمین نے اپنے اپنے فیصلے
سنائے اور عمرو بن العاص رضؓ نے امیر معاویہ کو بحال کرتے ہوئے حضرت علی رضؓ کو معزول کر دیا گیا
تو حامیانِ علی رضؓ بھڑک اٹھے حضرت علی رضؓ نے بھی اس جانبدارانہ فیصلہ کو قبول کرنے سے انکار
کر دیا اور دوبارہ شامیوں سے جنگ کی تیاریاں شروع کیں اب خوارج کو بھی موقع ہاتھ آگیا
وہ حضرت علی کو ملامت کرنے لگے کہ انھوں نے تحکیم کو مقرر کرکے سخت غلطی کی تھی نیز اس
طرح وہ گناہ کے مرتکب ہوئے اور اب توبہ کے بغیر مسلمان نہیں ہوسکتے لیکن حضرت علی رضؓ
نے اپنے گناہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ جب گناہ نہیں تو توبہ کا کیا مطلب۔
یہ سن کر خوارج طیش میں آگئے اور "لاحکم الا للہ لاحکم الا للہ" کے نعرے لگاتے
ہوئے اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف چل دیئے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کوفہ کی جامع مسجد میں
تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو مسجد کے گوشہ سے ایک خارجی نے "لاحکم الا للہ" کی آواز
لگائی حضرت علی رضؓ نے ان کے جواب میں یہ تاریخی جملہ کہا "کلمۃ حق ارید بہ الباطل"
اور انھیں ہر طرح سے سمجھایا لیکن ان کے لاکھ سمجھانے کے باوجود یہ کج فہم اور گمراہ لوگ
باز نہ آئے اور چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی شکل میں کوفہ سے نکل کر چھپتے چھپاتے مقام نہروان
پہونچ کر اپنی بڑھتی ہوئی پچیس ہزار کی تعداد کو منظم کرکے اپنی حکومت قائم کی اور
حضرت علی رضؓ اور ان کے تابعین پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہوئے ان سے جہاد و قتال
ضروری قرار دیا۔
اتنا ہونے کے باوجود حضرت علی رضؓ انھیں راہ راست پر لانے کیلئے دوبارہ تشریف لےگئے
ہر طرح کے دلائل و براہین سے اپنے موقف کی وضاحت کی لیکن یہ ضدی اور ہٹ
دھرم لوگ بار بار یہی کہتے رہے "تم نے قرآن کی نافرمانی کی اور کافر ہوئے اب توبہ کے
بغیر مسلمان نہیں ہوسکتے" اور پوری طرح لڑنے کیلئے تیار ہو گئے۔
ان کی اس بڑھتی سرکشی کے پیش نظر حضرت علی رضؓ نے شام کی مہم مؤخر کی اور پہلے انھیں سے
نمٹنے کا فیصلہ کیا نیز فوج کو منظم کرنے کے بعد آپ نے یہ اعلان کرا دیا کہ جو خارجی بغیر لڑے
یہاں سے چلا جائے گا وہ مامون رہے گا اور اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی اس اعلان
کے بعد دو تہائی سے زیادہ خارجی وہاں سے بھاگ نکلے بقیہ ایک تہائی کو گھیر کر

حضرت علی رضؓ نے تہ تیغ کردیا لڑنے والوں میں صرف نو آدمی ہی زندہ بچ سکے اسطرح بروقت یہ فتنہ بالکل دب گیا[1]

خوارج کے چند مشہور عقائد:۔

۱۔ مرتکب کبیرہ کافر ہے اور آخرت میں وہ مخلد فی النار ہوگا۔

۲۔ خوارج کا ہر مخالف کافر اور کبیرہ کا مرتکب ہے اسلئے اس سے قتال ضروری ہے۔

۳۔ حضرت عثمان حضرت علی اور حضرت عائشہ سے بغض وعداوت بھی ان کے عقائد میں داخل ہے

۴۔ رؤیت باری تعالیٰ ممکن نہیں ہے۔

۵۔ کلام اللہ مخلوق ہے۔

۶۔ صحابہ قطعاً گ نہیں۔

۷۔ حضرت علی رضؓ امیر معاویہ رضؓ اور ان کے حامی تمام صحابہ وتابعین کافر ہیں۔

۸۔ ظالم وفاسق امام سے خروج نہ کرنیوالے اور سکوت وتوقف اختیار کرنے والے بھی کافر ہیں۔

۹۔ نوع انسانی میں کوئی قبیلہ وخاندان کسی قبیلے وخاندان سے افضل نہیں حتیٰ کہ قریش کو بھی دیگر قبائل پر کوئی فوقیت نہیں اور کوئی بھی قبیلہ خلافت کا امیدوار ہوسکتا ہے نیز غیر قریشی کو خلیفہ بنانا افضل ہے۔

۱۰۔ خلیفہ کا انتخاب آزادانہ طور پر کیا جائے گا اور وہ عدل وتقویٰ پر قائم رہتے ہوئے ہی خلیفہ رہ سکے گا ظالم یا فاسق ہونے کی صورت میں اس کو قتل کرنا یا معزول کرنا ضروری ہے۔

۱۱۔ خوارج قریش سے بغض وعداوت رکھتے ہیں اور ہر اس امر کے منکر ہیں جو ان کے اصولوں سے ٹکرائے یا ان کی خواہش کے خلاف ہو۔

۱۲۔ بعض خوارج حالت حیض میں فوت شدہ نمازوں کی قضاء کے قائل ہیں۔

خوارج کے چند بنیادی فرقے:۔

۱۔ ازارقہ:۔ یہ فرقہ بنی حنیفہ کے ایک شخص نافع بن ازرق کی جانب منسوب ہے خوارج میں

---

[1] خوارج کے حالات مرتب کرنے میں دیگر کتابوں کے علاوہ تاریخ اسلام سے خصوصی مدد لی گئی ہے۔"

سب سے زیادہ متشدد اور ضدی فرقہ ہے جو اپنے مخالفین کے گھروں کو دار الحرب قرار دیتا ہے اور مخالفین کے بوڑھے بچے اور عورتوں کے قتل کے جواز کا قائل ہے نیز اس کے نزدیک انبیاء ورسل سے بھی صغائر و کبائر کا ارتکاب ہو سکتا ہے۔

۲۔ نجدات:۔ قبیلہ بنی حنیفہ کے ایک شخص نجدہ بن عویمر کی جانب منسوب ہے اور تشدد و تعلغل میں ازارقہ کا ہمسر ہے۔

۳۔ صفریہ:۔ زیاد بن اصفر کی جانب منسوب ہے فرقہ ازارقہ سے کم اور دیگر تمام فرقوں سے زیادہ متشدد ہے۔

۴۔ عجاردہ:۔ یہ فرقہ عبد الکریم بن عجرد سے تعلق رکھتا ہے جو عطیہ بن اسود حنفی کا پیرو ہے۔

۵۔ اباضیہ[1]:۔ عبد اللہ بن اباض تابعی کی جانب منسوب ہے اہل سنت والجماعت سے سب سے زیادہ قریب اور خوارج میں سب سے زیادہ سلجھا ہوا ہی فرقہ ہے۔[2]

۶۔ ثعالبہ:۔ ثعلبہ بن عامر کی جانب منسوب ہے جو ابتداء میں عبد الکریم بن عجرد کا ہم خیال تھا پھر ایک مسئلہ میں اختلاف کی بنیاد پر الگ ہو گیا۔

اس کے علاوہ خوارج میں مزید دو فرقے اور ہیں جو بالکل کافر ہیں:۔

۱۔ یزیدیہ:۔ یزید بن انیسہ خارجی کی جانب منسوب ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عجم میں ایک رسول اور مبعوث ہوگا جس کی رسالت شریعت محمدی کو منسوخ کر دے گی۔ نعوذ باللہ۔

۲۔ میمونیہ:۔ میمون عجردی کی جانب منسوب ہے یہ فرقہ محارم سے نکاح کا قائل ہے اور مجوس کی جانب مائل ہے کیونکہ مجوس ہی ایسے نکاحوں کے جواز کے قائل ہیں۔

---

[1] خوارج کے عقائد اور ان کے فرق کی تفصیل شیخ ابو زہرہ مصری کی کتاب تاریخ المذاہب الاسلامیہ اول ۹۴ تا ۸۰ نیز جلد ثانی ۵۳ سے ماخوذ ہے۔ [2] شیخ ابو زہرہ مصری رح نے اباضیہ کے بارے میں یہی تصریح کی ہے لیکن عبد الکریم شہرستانی نے الملل والنحل میں اس فرقہ کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا اس کے مطابق یہ بھی فرقہ یزیدیہ کا شریک و سہیم معلوم ہوتا ہے اور اس کی رو سے اس کے اہل سنت والجماعت سے قریب ہونے کا تو کیا سوال اس کے کفر میں کوئی شک نہیں رہتا۔ دیکھئے الملل والنحل جلد اول ص ۱۰۷ تا ص ۱۳۴

(ح) کوفہ کے مضافات میں ایک شہر حروراء نامی واقع ہے کیوں کہ خوارج نے حضرت علی رضی سے خروج و بغاوت کرتے ہوئے سب سے پہلے حروراء ہی میں قیام کیا تھا اور مستقل طور سے اس کو مسکن بنایا تھا تو اسی نسبت سے ان کو حروریہ بھی کہا جاتا ہے۔

النصل: مولانا عبد الغنی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے معنی یہ بیان کرتے ہیں حدیدۃ السھم والرمح والسیف مالم یکن لہ مقبض یعنی تیر نیزہ اور تلوار کا وہ لوہا جسے پکڑنے کیلئے الگ موٹھ نہ ہو یعنی لوہے کی نوک۔

رصاف: وہ پٹھا جو چھڑ میں تیر کے پھل کے داخل ہونے کی جگہ سے اوپر لگایا جاتا ہے۔

رمیہ: تیر پھینکنے کا آلہ کمان اور ایسے شکار کو بھی کہا جاتا ہے جس میں تیر پار ہو گیا ہو۔

قدح: بغیر نوک اور بغیر پر والا تیر۔

القذذ: قذہ کی جمع معنی تیر کا پر۔

سوال نمبر ۳۷:۔ باب فی ذکر الخوارج۔

عَنْ ابنِ عُمَرَ رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَنْشَؤُ نَشْؤٌ يَقْرَؤُنَ الْقُرْاٰنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ كُلَّمَا خَرَجَ قَرْنٌ قُطِعَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ رض سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كُلَّمَا خَرَجَ قَرْنٌ قُطِعَ اَكْثَرَ مِنْ عِشْرِيْنَ مَرَّةً حَتّٰى يَخْرُجَ فِيْ عِرَاضِهِمُ الدَّجَّالُ۔

(الف) اعراب لگا کر مطلب خیز ترجمہ کرنے کے بعد بتائیں کہ امام کی اطاعت سے خروج کا کیا حکم ہے؟

(ب) فرقہ خوارج کا تاریخ کی روشنی میں تعارف کرائیے۔

(ج) اکثر من عشرین مرۃ ابن عمر کا مقولہ ہے یا حضور ﷺ کا اور دونوں صورتوں میں کیا فرق ہوگا؟

جواب سوال نمبر ۳۷:۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ ہو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (آخر زمانے میں) کچھ لوگ ظاہر ہوں گے جو قرآن (نہایت شاندار انداز میں) پڑھیں گے (اور حاملین قرآن ہونے کا دعوی کریں گے) لیکن (ریا اور بد باطنی کی وجہ سے) قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا (اور ان کی زندگیوں میں قرآنی تعلیمات کا حقیقتاً کوئی اثر نہ ہوگا) تو ایسے لوگ جب بھی ظاہر ہوں گے (منجانب اللہ) ان کو مٹا دیا جائے گا ۔۔۔ ابن عمر رض کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (خود) یہ کہتے سنا کہ ایسے لوگ جب بھی نکلیں گے (ہر مرتبہ) ان کو نیست و نابود کر دیا جائے گا (اور ایسا) بیس مرتبہ سے زیادہ (ہوگا) یہاں تک کہ انہیں کی نسل سے مسیح دجال ظاہر ہوگا۔

امیر المسلمین اور امام وقت کی اتباع و اطاعت کی شریعت اسلامی میں بے حد تاکید کی گئی ہے اور اطاعت امیر نیز اتباع امام کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے تشبیہ دی گئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ائمہ اور امراء کی اطاعت کو خود اپنی اتباع و پیروی قرار دیا صحیح حدیث میں موجود ہے :۔

"من یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعص الامیر فقد عصانی"[1]

لیکن "لاطاعة فی معصیة الخالق" کی رو سے ان کی پیروی کے مسلمان جب تک ہی مکلف رہیں گے جب تک کہ وہ دین کی پاسبانی کے ساتھ ساتھ اقامت صلوٰۃ اور نفاذ شریعت کا فریضہ انجام دیتے رہیں اور اعلاء کلمۃ اللہ نیز اسلام کی سربلندی کیلئے وہ برابر کوشاں رہتے ہوں ۔ لیکن اگر بالفرض ان میں اقامتِ صلوٰۃ کے علاوہ دیگر خصوصیات معدوم و مفقود ہو جائیں اور فسق و فجور تک میں ملوث ہو جائیں تو ایسے حالات میں انھیں راہ راست پر لانے کی تو پوری کوشش کیجائیگی لیکن خروج یا بغاوت پھر بھی جائز نہ ہوگی اسی کو بیان کرتے ہوئے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

"واما الخروج علیهم (الائمة والامراء) وقتالهم فحرام باجماع المسلمین وان کانوا فسقه ظالمین"[2]

چاہے امام فاجر و فاسق اس کے خلاف خروج نہ کیا جائے گا اور اس سے بغاوت یا علیحدگی باتفاق فقہاء امت قطعاً حرام اور کبائر کے ارتکاب کے مرادف ہوگی۔

باغیوں کا شرعی حکم :۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ امام کی اطاعت سے خروج کرنے والوں اور باغیوں کا حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

---

[1] بخاری و مسلم ۱۲ ، [2] مسلم شریف جلد ۲

البغی علی الامام ولو جائراً فاسق مرتکب الکبیرۃ ان کان بغیه بلاتاویل او بتاویل قطعی البطلان[۱]"
معتزلہ بھی امام سے بغاوت کرنے والوں کو فاسق اور مخلد فی النار مانتے ہیں اور خوارج انھیں قطعاً کافر قرار دیتے ہیں۔
یہ تو خوارج اور باغیوں کا اخروی حکم تھا اب ان کا دنیوی حکم کیا ہے قرآن کریم نے صراحت کردی کہ "فقاتلوا التی تبغی" بغاوت کرنے والی جماعت سے قتال کیا جائے گا۔
امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اسی کے پیش نظر فرماتے ہیں:۔
"یقاتل (الامام) مع الکفار والبغاۃ والخوارج وسائر اهل الفساد[۲]"
اس سلسلے کی ساری تفصیل اور فیصلہ کن وضاحت حضرت علی رضؓ کے اسوہ میں ملتی ہے کیونکہ انھیں کی امامت و خلافت میں خوارج نے بغاوت کرتے ہوئے ان سے خروج کیا تھا امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ اس پوری تفصیل اور شرعی حکم کو ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:۔
" واذا تغلب قوم من المسلمین علی بلد وخرجوا من طاعة الامام دعاهم إلی العود الی الجماعة وکشف عن شبهتهم ولا یبدؤهم بالقتال حتی یبدؤوه فان بدؤوا قاتلهم حتی یفارق جماعتهم"۔

دعاهم الی العود الی الجماعة

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتال سے پہلے ابن عباس رضؓ کو خوارج کی جانب بھیجا تاکہ انھیں سمجھا بجھا کر جماعت کی شمولیت کیلئے مجبور کریں نیز علی رضؓ خود بھی دو مرتبہ بنفس نفیس انھیں سمجھانے کیلئے تشریف لے گئے۔

کشف عن شبهتهم

ان سے امام خروج کا سبب دریافت کرے علی رضؓ نے بھی ایسا ہی کیا اگر ظلم کی وجہ سے انھوں نے خروج کیا ہے تو ظلم کا ازالہ کرے اگر یہ وجہ نہ ہو بلکہ محض وہ اپنے علی الحق ہونے اور اپنی ولایت کا دعوی کرتے ہوئے خلافت غصب کرنے کے موڈ میں ہوں تو یہ باغی ہیں اب سلطان کو ان سے جنگ وجدال کرنا چاہئے۔

---

[۱] روح المعانی جز ۲۶ صـ۱۵۱ [۲] مسلم شریف جلد ۲ صـ۱۲۶ [۳] قدوری صـ ۔ باغیوں کی مزید تفصیل کیلئے دیکھئے فتح القدیر جلد رابع صـ۴۱۶ باب البغاۃ شامی جلد ثالث صـ۴۳۱ شرح وقایہ ثانی صـ۳۳۴ تفسیر مظہری جلد نہم صـ۵۴ روح المعانی جز ۲۶ صـ۱۵۱ معارف القرآن جلد ہشتم صـ۱۱۱۔

ولایبدءھم بالقتال

یہ امام قدوری کی منفرد رائے ہے جب کہ امام خواہر زادہ نے لکھا ہے کہ جب وہ لشکر فراہم کرلیں تو ان کا قتال جائز ہے اور امام کو ان کی جانب سے جنگ کی ابتداء کا انتظار نہیں کرے گا۔

حتی یفارق جماعتھم

یعنی ان کی جمعیت کو منتشر کردے اور ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کرکے فتنہ کا بالکلیہ انسداد کردے۔

(ب) فرقہ خوارج کیلئے دیکھئے ص ۱۳۵

(ج) مولانا عبد الغنی دہلوی فرماتے ہیں کہ کلما خرج قرن قطع، کے بارے میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ یہ ابن عمر رض کا قول ہے دوسرے یہ کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی حدیث کا ٹکڑا ہے۔

اگر اس جملہ کو ابن عمر رض کا قول قرار دیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ انھوں نے یہ حدیث اور خوارج کے بارے میں یہ پیشین گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیسیوں مرتبہ سنی ہے۔

اور اگر اس جملہ کو حدیث باب ہی کا ایک ٹکڑا قرار دیا جائے تو اس صورت میں غالباً یہ معنی ہوں گے کہ اہل حق اس گمراہ جماعت سے ہر زمانے میں بیس مرتبہ سے زیادہ قتال کریں گے اور اس کی جڑوں کو کاٹ کر رکھ دیں گے لیکن اس کے باوجود یہ فتنہ انگیز جماعت اتنی سخت جان اور یہ لوگ اتنے بے شرم ہوں گے کہ پھر بھی ہر زمانے میں موجود رہیں گے یہاں تک کہ انھیں کے درمیان سے دجال اٹھ کھڑا ہوگا اور پھر قیامت قائم کردی جائے گی۔

تو معلوم یہ ہوا کہ نفس پرستوں اور خواہشات کے غلاموں سے اگر اہل حق ایک زمانے ہی میں بیس مرتبہ سے زیادہ قتال اور جنگ کریں تب بھی وہ خبیث اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں گے۔

قرائن اور سیاق و سباق کے لحاظ سے ان دونوں صورتوں میں سے کسی ایک کو راجح قرار دینا انتہائی مشکل امر ہے۔

سوال نمبر ۳۸ :-

عن جَرِیرِ بنِ عبدِ اللہ رض قَالَ کُنَّا جُلُوسًا عِندَ رَسُولِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ اِلَی القَمَرِ لَیلَۃَ البَدرِ قَالَ اِنَّکُم سَتَرَونَ رَبَّکُم کَمَا تَرَونَ ھٰذَا القَمَرَ لَاتُضَامُّونَ فِی رُؤیَتِہٖ۔

(الف) حدیث باب پر اعراب لگایئے اور ترجمہ کیجئے۔

(ب) رؤیت باری کے مسئلہ میں اہل سنت و دیگر فرقوں کے مذاہب مدلل بیان کیجئے۔

جواب سوال نمبر ۳۸ :-

(الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت جریر بن عبداللہ رض روایت کرتے ہیں کہ (ایک دن چاندنی رات میں) ہم حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا اور (ہم کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے اسی طرح عنقریب تم اپنے پروردگار کا دیدار کروگے اور رویت باری میں تمہیں ازدحام (کی مشقتوں) سے بھی دوچار ہونا نہ پڑے گا (اور بلا کسی حجاب ومشقت کے رب جلیل کا نظارہ کروگے)۔

(ب) امت کے گمراہ فرقے معتزلہ خوارج جہمیہ اور بعض مرجیہ رؤیت باری تعالیٰ کا مطلقاً انکار کرتے ہیں اور قرآن وحدیث نیز اجماع امت سے قطع نظر درج ذیل چند عقلی دلائل پر انحصار کرتے ہوئے انکار رؤیت پر اڑے ہوئے ہیں۔

۱۔ مرئی کا ایک مکان میں ہونا ضروری ہے۔

۲۔ دیکھنے کیلئے مرئی کا ایک جہت وسمت میں ہونا ضروری ہے۔

۳۔ مرئی کو رائی کے سامنے ہونا چاہیئے۔

۴۔ مرئی نہ اتنی زیادہ قریب ہو کر قرب کی وجہ سے نظر نہ آسکے جیسے ناک وغیرہ اور نہ اتنی زیادہ دور ہو کہ بعد کی وجہ سے وہاں تک آنکھ کی رسائی نہ ہو سکے۔

۵۔ قوت باصرہ کی شعاعوں سے مرئی کا اتصال والتصاق ہونا لازمی ہے ظاہر ہے کہ درج بالا تمام اشراطے خداوند قدوس منزہ ومبرا ہے اور یہ صفات اس کی ذات کے منافی ہیں۔

۶۔ ان عقلی دلائل کے علاوہ یہ لوگ قرآنی آیت "لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار" سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

ان کے عقلی دلائل کا جواب:

حقیقت یہ ہے کہ علامہ سعدالدین تفتازانی مصنف شرح عقائد نے ایک جملہ ہی میں ان حضرات کے پانچوں عقلی دلائل کا ایسا مسکت جواب دیدیا ہے کہ اب مزید تردید کی ضرورت نہیں رہتی وہ فرماتے ہیں[۱] "قیاس الغائب علی الشاھد فاسدٌ" پھر عمر نسفی اس کی مزید تاکید کرتے ہوئے کہتے ہیں "فیری لافی مکان ولاعلی جھۃ من مقابلۃ واتصال شعاع اوثبوت مسافۃ بین الرائی وبین اللہ تعالیٰ"[۲] اور جہاں تک "لاتدرکہ الابصار" سے استدلال کا تعلق ہے تو اس کے متعلق شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عدم رؤیت کی نہیں بلکہ اثبات رؤیت کی دلیل ہے اور معنی یہ ہیں کہ جب بندے رب جلیل

---

[۱] شرح عقائد صفحہ ۵۹ [۲] ایضاً صفحہ ۵۸ "

کا نظارہ و دیدار کریں گے تو اس کا ادراک و احاطہ نہ کر سکیں گے جب کہ خداوند قدوس کے وہ احاطہ میں ہوں گے[1]

اہل سنت والجماعت اور تمام امت کا یہ اجماعی فیصلہ ہے کہ رؤیت باری دنیا میں ممکن اور آخرت میں یقینی ہے

جمہور امت کے دلائل درج ذیل ہیں:۔

۱۔ "رب ارنی انظر الیک[2]"

اگر رؤیت باری اس دنیا میں ممکن نہ ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رؤیت کی کیوں خواہش کرتے نیز یہ امر بھی مسلم ہے کہ نبی ناممکنات کا مطالبہ نہیں کرتا تو اگر رویت کو ناممکن مانا جائے تو اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نعوذ باللہ جہل لازم آئے گا اور انبیاء جہل وغیرہ سے پاک و معصوم ہوا کرتے ہیں۔

۲ "وجوہ یومئذ ناضرۃ الیٰ ربہا ناظرۃ[3]"

یہ آیت اہل جنت کیلئے دیدار باری کو صراحتاً ثابت کر رہی ہے۔

۳۔ "لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار[4]"

یہ آیت بھی اثبات رؤیت کی دلیل ہے تفصیل ماقبل میں گذر چکی۔

۴۔ "انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون[5]"

یہ آیت کافرین کیلئے رؤیت باری کا انکار کر رہی ہے مفہوم مخالف سے صاف ظاہر ہے کہ اس نعمت سے صرف مومنین ہی بہرہ ور ہوں گے اسی آیت کی بناء پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر قیامت میں مومنین کو رؤیت نہ ہوئی تو بذریعہ حجاب کفار کی توہین و تذلیل نہ ہو گی۔

۵۔ "قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکم سترون ربکم کما ترون ھذا القمر لا تضامون فی رؤیتہ[6]"

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق رؤیت باری کو تقریباً بیس کبار صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اور اس طرح یہ روایتیں متواتر ہیں[7]

---

[1] امداد الباری جلد دوم [2] سورۂ اعراف۔ [3] سورہ قیامہ [4] سورہ انعام [5] سورۂ مطففین ۱۲
[6] بخاری و مسلم ۱۲ [7] مسلم اول ص ۹۹ ۱۲

۶ "عن صهيب عن النبی صلی الله عليه وسلم قال اذا دخل اهل الجنة الجنة يقول الله تعالیٰ تريدون شيئاً ازيدكم فيقولون الم تبيض وجوهنا الم تدخلنا الجنة وتنجّنا من النار قال فيرفع الحجاب فينظرون الی وجه الله فما اعطوا شيئاً احب اليهم من النظر الی ربهم ثم تلا للذين احسنوا الحسنیٰ وزيادة"۔

سوال ۳۹:۔ عن ابی رزين قال قلت يارسول الله اين كان ربنا قبل ان يخلق خلقه، قال كان فی عماء ما تحته هواء وما فوقه هواء وما ثم خلق عرشه علی الماء۔

(الف) اعراب لگاکر اس طرح ترجمہ کیجئے کہ عماء بالمد اور عمی بالقصر دونوں معنی کی تشریح ہوجائے۔

(ب) ماتحته ومافوقه میں ضمیر کا مرجع اور کلمہ ماء کا معطوف علیہ بتاکر حدیث کے ایسے معنی بیان کیجئے جو قواعد شرعیہ اور عقائد اہل حق کے مطابق ہوں۔

(ج) کلمہ "فی" سے ظرفیت ومکان ثابت ہوتا ہے آپ کلمہ "فی" کے معنی لکھیئے۔

(د) حدیث باب کی ترجمۃ الباب سے کیا مطابقت ہے؟

جواب سوال ۳۹:۔ (الف) اعراب کیلئے ص ۱۳۵ دیکھئے۔

حضرت ابو رزین بیان کرتے ہیں کہ میں نے (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ (یہ بتلائیے کہ) مخلوق کی تخلیق سے پہلے ہمارا پروردگار کہاں تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ (عماء بالمد) رقیق بادل میں تھا اور (عمی بالقصر) اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی اس کے نیچے اور اوپر ہوا تھی اور پانی تھا پھر (سب سے پہلے) اللہ تعالیٰ نے پانی پر عرش کو پیدا کیا۔

(ب) علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ قاضی ناصر الدین ابن المنیر نے کہا "ماتحته ومافوقه" کی ضمائر کا مرجع سحاب (عماء) ہے اور ماء کا معطوف علیہ ھواء ہے۔

مکان رب کے متعلق سوال کرنا فاسد ہے اور قطعاً درست نہیں لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ ابو رزین جیسے جلیل القدر صحابی اس قسم کے سوال کریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب بھی دیدیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا این اللہ تو حضرت علی رضؓ نے جواب دیا کہ جس ذات نے این کو اینیت بخشی وہ این کی اینیت سے وراء الوراء ہے اور اس کے متعلق ایسا

لہ مسلم، رؤیت باری کی تفصیل کیلئے دیکھئے علامہ ابن قیم کی کتاب "حادی الارواح الی بلاد الافرح" نیز اردو میں سیر حاصل بحث کے لئے دیکھئے حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کی عجیب وغریب کتاب "تقریر دلپذیر"۔

سوال درست نہیں پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اینیت مخلوق ہے اور جو ذات اس کی خالق ہے وہ اس کی تخلیق سے پہلے بھی موجود تھی پھر اب اینیت کو اس ذات کا مکان بنانا کیوں کر درست ہوگا اسلئے حقیقت یہ ہے کہ حدیث باب میں مکان کے متعلق سوال نہیں بلکہ باری تعالیٰ کی شان کی وضاحت مطلوب ہے کہ کائنات کی تخلیق سے پہلے وہ کس شان میں تھا۔ لفظ این کے اسی اشکال کو رفع کرتے ہوئے حضرت فخر المحدثین مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

لفظ این کے ذریعہ کبھی تو مکان کے متعلق سوال کیا جاتا ہے اور کبھی محض شان و کیفیت کی وضاحت مطلوب ہوتی ہے۔ حدیث باب میں این کی مراد یہ ہے کہ عالم کی تکوین اور اس کی ایجاد سے پہلے اللہ تعالیٰ کی کیا شان اور اس کی کیا کیفیت تھی تو جواب دیا گیا کان فی عماء یعنی فی شان خفی لایدرک بالابصار ولا بالبصائر" کہ وہ ایسی شان خفی میں تھا کہ بصارت و بصیرت اس کے تصور سے بھی عاجز ہیں۔ باری تعالیٰ پر عماء کا اطلاق کرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ خداوند قدوس کی وہ شان استتار و احتجاب اور اخفاء کے اس مقام پر ہے جہاں عقل و فہم کا گذر تک نہیں اور اس کے بارے میں غور و فکر کرنا اور عقلی پرواز کرنا ایسا ہی ہے (بقول ابن خلدون) جیسے ترازو سے پہاڑ کو تولنے کی کوشش کی جائے کیونکہ عماء ایسا معاملہ ہے کہ "لایدرکہ عقول بنی آدم و یبلغ کنہہ الوصف والفطن" اور اسی لئے امام ابو عبیدہ نے کہا کہ "لا ندری کیف کان ذلک العماء" کوئی عالم نہیں جانتا کہ یہ عماء کیسا تھا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی شان کی وضاحت کرتے ہوئے احمد بن منیع کے طریق سے یزید ابن ہارون کا یہ قول نقل کرتے ہیں" العماء ای لیس معہ شئ یعنی ان العماء کنایۃ عن انہ لم یکن معہ شئ[1]"

---

[1] عماء کی یہ ساری تفصیل روح المعانی جلد سوم ص۵۱۳ تا ۵۱۵ اور مولانا ادریس کاندھلوی کی تحفۃ القاری مشکلات بخاری جلد ۲ ص۸۴ تا ۸۵ سے ماخوذ ہے۔

امام قاضی بھی یہی فرماتے ہیں کہ عماء سے ایسی کیفیت شان مراد ہے جو نہ خیال میں آسکتی ہے اور نہ عقل وفہم ہی اس کا ادراک کرسکتی ہے اور یہ عدم مکان کی ایسی تعبیر ہے جس کی کیفیت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

اس لئے راجح یہی ہے کہ حدیث باب میں مکان مراد نہیں بلکہ باری تعالیٰ کی شان کے متعلق سوال کیا گیا ہے لیکن اگر بالفرض این سے مکان مراد لے لیا جائے تو اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ جواب علی اسلوب الحکیم ہے کہ سائل نے مکان کا سوال کیا اور اس کو لامکاں ہونے کا جواب دیا گیا۔

(ج) قاضی ناصر الدین بن المنیر فرماتے ہیں کہ حدیث باب میں کلمہ "فی" "علی" کے معنی میں وارد ہوا ہے اور "علی" استیلاء کے معنی میں ہے تو مطلب یہ ہوا کہ خداوند قدوس اس سحاب پر مستولی تھا جس سے اس نے اپنی تمام مخلوقات کو پیدا کیا۔

(د) اس روایت سے باری تعالیٰ کیلئے صفت تخلیق ثابت ہوتی ہے جہمیہ کیوں کہ دیگر تمام صفات کے ساتھ ساتھ صفت تخلیق کے منکر اور تحیز بالمکان کے قائل ہیں اسلئے اس حدیث سے ان کی تردید ہوگی تو "ثم خلق عرشہ" اور "وکان فی عماء" ہی ترجمۃ الباب ہے۔

سوال نمبر۴ :۔ عن ابی ھریرۃ رضؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کتب ربکم علی نفسہ بیدہ قبل ان یخلق الخلق رحمتی سبقت غضبی۔
عن ابی ھریرۃ رضؓ کان یقول قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقبض اللّٰہ الارض یوم القیامۃ ویطوی السماء بیمینہ ثم یقول انا الملک این ملوک الارض

(الف) اعراب لگایئے اور معنی خیز ترجمہ کیجئے۔

(ب) فرقہ جہمیہ کا مختصر تعارف کرایئے اور اہل سنت والجماعت اور جہمیہ کے درمیان جن اصولی مابہ الامتیاز باتوں میں اختلاف ہے ان کو تحریر کریں۔

(ج) مصنف نے یہ دونوں حدیثیں "باب فیما انکرت الجھمیۃ" کے تحت ذکر کی ہے آپ بتائیں کہ ان حدیثوں سے جہمیہ کی تردید کس طرح ہو رہی ہے؟

جواب سوال نمبر۴ :۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیثیں ملاحظہ کیجئے۔
حضرت ابوہریرہ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مخلوق پیدا کرنے سے پہلے ہی تمہارے رب نے اپنے ہاتھ سے اپنے بارے میں لکھ کر یہ فیصلہ کرلیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔
حضرت کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو

سمیٹیں گے اور اپنے دائیں ہاتھ سے آسمان کو لپیٹ دیں گے پھر فرمائیں گے (آج) میں بادشاہ ہوں (کدھر گئے شاہزادے اور) کہاں ہیں زمین کے (نام نہاد) بادشاہ (جو ہمارا کھاتے تھے اور ہمارے غیروں کی عبادت کرتے تھے)۔

(ب) جہم بن صفوان فرقہ جہمیہ کا بانی ومبانی ہے یہ گمراہ شخص اصلاً کوفی النسل ہے بنو امیہ کی خلافت کے دور میں یہ نہر جیحون کے کنارے واقع شہر ترمذ سے ظاہر ہوا اور یہ حقیقتاً یہودی تھا۔

صحیح ابن خزیمہ نے ابن قدامہ کے طریق سے ابو معاذ بلخی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جہم نہایت فصیح وبلیغ تھا لیکن علم سے بے بہرہ جاہل ہونے کے ساتھ اہل علم کی مجلسوں سے بھی وہ قطعاً نا آشنا تھا اور صرف معرفت قلب کو عین ایمان قرار دیتا تھا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ کے بارے میں جہم بن صفوان نے تشبیہ کی نفی میں اتنی شدت برتی کہ وہ تعطیل وتجرید کی دلدل میں جا گھسا۔

بنو امیہ کے خلافت کے آخری دور تقریباً ایک سو تیئس ۱۲۳ ہجری میں مسلم بن احوذ مازنی نے خراسان کے مشہور شہر مرو میں جہم بن صفوان کو قتل کر دیا اس طرح امت کو ایک فتنہ سے نجات ملی۔

اسی کی جانب منسوب فرقہ کو فرقہ جہمیہ کہا جاتا ہے لیکن جہمی خود اپنے آپ کو صوفیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

جہمیہ کے مابہ الامتیاز چند اصولی عقائد:

۱۔ ایمان صرف معرفتِ قلب کا نام ہے اگر وہ حاصل ہے تو انکار لسان کے باوجود بندہ کامل الایمان ہے۔

۲۔ ایمان کے بعد اعمال صالحہ کی کوئی ضرورت نہیں اور افعال سیئہ سے بھی ایمان متاثر نہیں ہوتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا علم حادث ہے کسی چیز کے وجود اور اس کی خلقت سے پہلے اللہ کو اس کا علم نہیں ہوتا۔

۴۔ تمام افعال کا اللہ ہی خالق ہے۔

۵۔ بندہ مجبور محض ہے اسے کوئی اختیار نہیں۔

۶۔ کلام اللہ حادث اور مخلوق ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی چیز قدیم نہیں۔

۸۔ رؤیت باری تعالیٰ محال اور قطعاً ناممکن ہے۔

۹۔ انبیاء اور انکے امتیوں کا ایمان یکساں اور ایک درجہ کا ہے اس میں کوئی تفاوت نہیں۔

۱۰۔ جنت اور جہنم کو ان کے مستحقین کے داخل ہونے کے بعد فنا کر دیا جائے گا قرآن وحدیث میں خالدین وغیرہ جیسے الفاظ کثرت کے معنی میں وارد ہوئے ہیں۔

۱۱۔ اللہ کو کسی ایسی صفت کیساتھ متصف کرنا جائز نہیں جو بندوں میں پائی جاتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جہمیہ نے اللہ کے حی اور عالم ہونے کا انکار کر دیا کیوں کہ یہ بندوں کے بھی اوصاف ہیں اور اللہ کو صرف فاعل خالق وقادر قرار دیا کیوں کہ یہ بندوں کے اوصاف نہیں۔

۱۲۔ جہمیہ اللہ کی تمام صفات کا صراحتًا انکار کرتے ہیں۔

۱۳۔ معتزلہ کی طرح یہ بھی ہر اس غیبی خارق عادت ثابت شدہ امر کا انکار کرتے ہیں جو انکی عقلوں سے باہر ہو۔[۱]

۱۴۔ باری تعالیٰ کیلئے تحیز بالمکان کے قائل ہیں۔

(ج) امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے یہ دونوں حدیثیں "باب فیما انکرت الجھمیۃ" کے تحت اسلئے ذکر کی ہیں کہ مقدم الذکر حدیث میں باری تعالیٰ کیلئے صفت کتابت بالید نیز صفت رحمت و غضب ثابت ہوتی ہے جب کہ دوسری حدیث میں صفت قبض اور صفت طی کی صراحت ہے ظاہر ہے کہ جہمیہ تمام صفات کیساتھ کتابت رحمت صفت طی اور قبض کا بھی صراحتًا انکار کرتے ہیں اس لئے امام نے یہ دونوں حدیثیں لاکر صفات کا اثبات اور جہمیہ کی کھلی تردید کر دی تو اول حدیث میں "کتب بیدہ" اور "رحمتی وغضبی" نیز دوسری حدیث میں "یقبض ویطوی" جیسے الفاظ ہی ترجمۃ الباب ہیں۔

اس روایت سے تحیز بالمکان کی صراحتًا نفی ہو رہی ہے اسی لئے حضرت امام ابن ماجہ نے باب فی ما انکرت الجھمیۃ" کے تحت خصوصًا یہ روایت ذکر کی ہے۔[۲]

سوال ۱۷ :- عَنْ اَبِي مُوسٰى الاَشْعَرِي عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَءُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الاُتْرُجَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَرِيحُهَا طَيِّبٌ وَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَءُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَلَا رِيحَ لَهَا وَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَءُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَءُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ وَلَا رِيحَ لَهَا

(الف) اعراب لگائیے ترجمہ کیجئے۔

(ب) قرآن کے اعجازی پہلو پر مختصر روشنی ڈالئے۔

---

[۱] جہمیہ کا یہاری تفصیل الفرق بین الفرق لعبد القاہر البغدادی عبد الکریم شہرستانی کی الملل والنحل و دیگر امہات الکتب سے ماخوذ ہے

[۲] انجاح الحاجہ لمولانا عبد الغنی لمسیرۃ دہلوی۔

جواب سوال بر ۴۱ :۔ (الف) اعراب کیلئے ص۱۳۹ والی حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ پیغمبر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان قرآن شریف پڑھتا ہے اسکی مثال ترنج کی سی ہے اس کی خوشبو بھی عمدہ ہوتی ہے اور مزہ بھی لذیذ۔ اور جو مومن قرآن شریف نہ پڑھے اس کی مثال کھجور کی سی ہے کہ خوشبو کچھ نہیں مگر مزہ شیریں ہوتا ہے اور جو منافق قرآن شریف پڑھتا ہے اس کی مثال خوشبودار پھول کی سی ہے کہ خوشبو عمدہ اور مزہ کڑوا۔ اور جو منافق قرآن شریف نہیں پڑھتا اس کی مثال حنظل کے پھل کی سی ہے کہ مزا کڑوا اور خوشبو کچھ نہیں[ل]۔

(ب) "چودہ سو برس گذر جانے کے باوجود بھی قرآن کریم کا مثل لانے کا چیلنج آج تک قائم ہے قرونِ اولیٰ سے لیکر آج تک فصاحت وبلاغت، لغت وادب اور اسلوب ونگارش کی دنیا میں کوئی اتنا بڑا سورما پیدا نہ ہوسکا جو قرآن کا مثل لانے کا تصور یا اور اس کے مقابلہ کی ہمت ہی کر پاتا۔

یہی وجہ ہے کہ دنیائے انسانی نے بڑے بڑے شعلہ بیان مقرر ومصنف۔ ادیب وخطیب اور فصاحت وبلاغت کے اماموں نیز منفرد انداز واسلوب کے بانیوں کو جنم دیا جنھوں نے اپنی فطری ذہانت وذکاوت، لیاقت وصلاحیت انداز جولانی اور زور زبانی نیز جدت اسلوب، طرز ونگارش اور انفرادیت کی دنیا پر دھاک بٹھادی اور ان کے عزائم وحوصلوں کو دیکھ کر ایسا محسوس ہونے لگا کہ ان کے اچھوتے اور ممتاز اسلوب وقلم کی چنگاریاں قدیم وجدید ادبی ذخیرہ پر برق بن کر گریں گی اور آن کی آن میں اسے جلاکر خاکستر کردیں گی اور شاید اب دنیا کا کوئی ادبی عجوبہ اپنی انفرادیت وچیلنج کو باقی نہ رکھ سکے گا لیکن اسی نشہ میں مدہوش اور اسی غرور میں مخمور ہوکر جب یہی لوگ قرآن کے مقابلہ پر آئے تو اس کے ادبی حملوں کی تاب نہ لاسکے قرآن کے ادبی معیار اس کے انداز بیان اور اس کی تسخیر کرلینے والی قوت سے ایسے مبہوت ہوئے کہ ان کی نگاہیں جھک گئیں زبانیں گنگ ہوگئیں قلم جواب دے گیا ادبیت کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا فصاحت وبلاغت کا نشہ جاتا رہا ان کی صلاحیت ولیاقت اور بلند عزائم نے بالآخر قرآن کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

[ل] حدیث کا ترجمہ حضرت شیخ الحدیث سہارنپوریؒ کا کیا ہوا ہے دیکھئے فضائل قرآن ص۱۲

قرآن کا ایک ایک حرف و کلمہ نگینہ کی طرح ایسا جڑا ہوا اور آپس میں ایسا ربط قائم کئے ہوئے جو بذات خود ایک اعجاز و چیلنج ہے۔

اس کی عبارت کا تحیر آمیز تسلسل و تزلزل اس کے مضامین کی روانی و دوانی اس کے وعظ و نصیحت کی دل سوزی اس کے انداز بیان کی جولانی اور جوش بیانی اس کے لاثانی نظائر و عبرتیں اس کے لافانی حقائق و معانی اس کا انذار و تبشیر کا دل دہلا دینے والا اسلوب۔ یہ سب اس کی وہ امتیازی اور انفرادی خوبیاں ہیں جنھیں دیکھ کر عمر بن خطاب جیسا مضبوط انسان بھی اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکا اور نقد دل ہار بیٹھا اور یہ اسی کا تو کرشمہ تھا کہ جب عتبہ اپنے موقف و نقطہ نظر کو فصیح و بلیغ پیرائے میں پیش کر کے کفار مکہ کی وکالت کر چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر چند آیات بے ساختہ جاری ہو گئیں ان آیات کا جاری ہونا تھا کہ کائنات منجمد ہونے لگی سمندروں کا جوش تھم گیا دریاؤں کی طغیانی خاموشی میں بدل گئی پہاڑ بھی لرزنے لگے ماحول پر ایک پرسرور کیفیت طاری ہونے کیساتھ ساتھ چرند و پرند شجر و حجر سبھی پر بیک وقت رقت طاری ہو گئی اور عتبہ کے خون میں بھی ایک بال سا آ گیا وہ اس عجیب و غریب کلام کی تاب نہ لا سکا اور بلک اٹھا۔

"محمد بس بھی کرو ایسے کلمات زبان سے نہ نکالو کہیں
تمہاری قوم پر عذاب نہ آجائے"

اور یہی تو اس کی تاثیر و دلکشی اور رقت و جاذبیت میں ڈوبا ہوا لہجہ تھا جسے سن کر حبشہ کا بارعب اور دبدبہ والا بادشاہ بھرے دربار میں رو پڑا اس کا دل دہل گیا دماغ جھنجھنا اٹھا بدن تھرا گیا ایمان کی مہک اور جعفرؓ کی لہک سے ایسا مدہوش ہوا کہ آن کی آن میں اس کے دل کی دنیا بدل گئی وہ عیسائیت کے غیر فطری بوجھ کو مزید برداشت نہ کر سکا اور سر عام یہ اعلان کر کے اس نے عیسائیت کی دھجیاں اڑا دیں۔

"خدا کی قسم حضرت عیسی المسیح کی حیثیت قرآن کی
بتائی ہوئی حقیقت سے تنکہ بھر بھی زیادہ نہ تھی"

قرآن ہی تاریخ انسانی کی وہ واحد کتاب ہے جو زمانہ دراز سے آج تک اپنی اصلی حالت میں محفوظ چلی آ رہی ہے اور چودہ صدیاں گذر جانے کے باوجود بھی اختلاط و التباس کی آندھیاں معاندین و مخالفین کی سرگرمیاں و ریشہ دوانیاں نیز دشمنان اسلام کا محرفانہ ذہن اس کے کسی حرف و کلمے کسی معنی و مفہوم کسی مضمون و ترکیب آیات اور زیر و زبر کو کوئی گزند نہ پہونچا سکا اور وہ اپنے حروف والفاظ، عبارات واشارات، اسرار و رموز نیز تجوید و ترتیل کے قواعد اور علوم نبوی و ماخذ تفسیر کے رواں دواں قافلوں کو لیکر

علمی دنیا کی امامت کرتا ہوا فصاحت و بلاغت کا مینھ برساتا محرفین کے خوابوں کی دھجیاں اڑاتا ہوا اس پندرہویں صدی تک بے خوف و خطر بڑھا چلا آیا۔ اور آج بھی ڈنکے کی چوٹ یہ دعویٰ کر رہا ہے :۔

فاتوا بسورة من مثله[1]

اب ذیل میں ہم چند دلائل سپرد قلم کر رہے ہیں آپ ان دلائل کی مدد سے درج بالا مضمون کو مزید پھیلائیے۔

بعشر سور مثله مفتريت وادعوا من استطعتم من دون الله ان كنتم صٰدقين

۲۔ قل من اجتمعت الانس والجن على ان ياتوا بمثل هذا القرآن لا ياتون بمثله ولو كان بعضهم لبعض ظهيرا

۳۔ لو انزلنا هذا القرآن على جبل لرأيته خاشعا متصدعا من خشية الله۔

۴۔ افلا يتدبرون القرآن ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا

۵۔ يضل به كثيرا ويهدي به كثيرا۔

۶۔ عن عمر بن الخطاب رض قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله يرفع بهذا الكتاب اقواما ويضع به آخرين (مسلم)

۷۔ عن عائشة رض قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لكل شيء شرفا يتباهون به وان بهاء امتي وشرفها القرآن (رواه الحليه)۔

۸۔ عن علي رض سمعت يقول رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا يشبع منه العلماء ولا يخلق عن كثرة الرد ولا ينقضي عجائبه (ترمذی۔ دارمی)۔

ج) اترجہ : لیموں کا درخت۔

ریحانہ : نازبو ایک نہایت خوشبودار پودا۔

حنظلۃ : پھر پھیندوا اندرائن کا پھل جو نہایت کڑوا ہوتا ہے۔

مقصد حدیث پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مقصود اس حدیث سے غیر محسوس شی کو محسوس شی کیساتھ تشبیہ دینا ہے تاکہ ذہن میں فرق کلام پاک کے پڑھنے اور نہ پڑھنے میں سہولت سے آجاوے ورنہ ظاہر ہے کہ کلام پاک کی حلاوت

---

[1] درج بالا مضمون راقم سطور کے ایک مستقل مضمون "قرآن کریم کے چیلنج" سے ماخوذ ہے تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ماہنامہ دار العلوم ماہ رجب ۱۴۰۱ھ

وہک سے کیا نسبت ترنج و کھجور کو۔ اگرچہ ان اشیاء کیساتھ تشبیہ میں خاص نکات بھی ہیں جو علوم نبویہ سے تعلق رکھتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کی وسعت کی طرف مشیر ہیں، مثلاً ترنج ہی کو لیجئے یہ منافع ایسے ہیں کہ قرأت قرآن کریم کیساتھ خاص مناسبت رکھتے ہیں مثلاً منھ کا خوشبودار ہونا باطن کا صاف ہونا روحانیت میں قوت پیدا کرنا یہ منافع تلاوت میں ہیں جو پہلے منافع کے ساتھ بہت ہی مشابہت رکھتے ہیں ایک خاص اثر ترنج میں یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ جس گھر میں ترنج ہو وہاں جن نہیں جا سکتا۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر کلام پاک کے ساتھ خاص مشابہت ہے۔"

سوال ۴۲:۔ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ اَلْخَيْرُ عَادَةٌ وَالشَّرُّ لَجَاجَةٌ وَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ۔

(الف) اعراب لگائیے ترجمہ کیجئے۔

(ب) ومن یرد اللہ الخ کا ماقبل سے ربط بیان کرتے ہوئے حدیث کی تشریح کیجئے۔

(ج) ابن ماجہ نے یہ حدیث باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم کے تحت ذکر کی ہے آپ باب کی حدیث سے مناسبت ظاہر کیجئے۔

جواب سوال ۴۲:۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ خیر عادت ہے، اور شر جھگڑا وفساد (وغیر عادت) ہے اور اللہ تعالی جس کیساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ دیتا ہے (اور تفقہ فی الدین سے نوازتا ہے)۔

(ب) من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین کا ماقبل سے یہ ربط ہے کہ خداوند قدوس جس بندے کیساتھ خیر کا معاملہ کرنا چاہتے ہیں اسے الشر لجاجۃ جھگڑا وفساد سے بچا کر تزکیہ باطن کی توفیق دیتے ہیں اور الخیر عادۃ فطرت وجبلت پر جما کر دینی فراست تفقہ اور نور معرفت سے نوازتے ہیں۔

الخیر عادۃ

نوع انسانی کے وجود کی ابتداء "قالوا بلیٰ" کے اقرار وعدہ اطاعت اور معرفت رب کے ذریعہ کرائی گئی کیونکہ انسان کی فطرت وعادت خیر ونیکی اور رشد وہدایت ہے اور اس کی جبلت میں ابتدائے آفرینش ہی سے وہ صلاحیت ولیاقت اور پاکیزگی رکھی گئی کہ جب بھی کفر وشرک کا دباؤ ذرا ہلکا ہو کافر کی فطرت وجبلت بھی بول اٹھتی ہے اور برابر اس کے ضمیر وطبیعت کو کچوکے لگا کر اظہار حق اور ابطال باطل کیلئے ابھارتی رہتی ہے لیکن معاشرہ کا دباؤ

خاندانی روایتیں وبندشیں اور اپنے ذاتی مفاد قبول فطرت سے باز رکھتے ہیں اور اس کے پاؤں کی بیڑی بن جاتے ہیں۔

الخیر عادۃ ہی کی تشریح کرتے ہوئے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما من مولود الا وقد یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ کہ ہر انسان فطری طور پر مسلم و مومن ہے لیکن اس کا ماحول ورسم و رواج اسے یہودی نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں اگر وہ ہر قسم کے ماحول اور تہذیب و تمدن سے دور رہے تو یقیناً اسلام کو قبول کرے گا اور رشد و ہدایت کی جانب بڑھا چلا آئے گا کیوں کہ خیر اس کی عادت و فطرت ہے۔

الشر لجاجۃ:

اشر نوع انسانی کیلئے غیر فطری اور بالکل طبعی چیز ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کفر و شرک زیغ وضلال کا جبلی طور پر انسانی فطرت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ جب انسان گناہ و معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو اندرونی طور پر اس کی طبیعت میں ایک قسم کا تنفر اور انقباض و اضطرار پیدا ہوتا ہے جو اسے اس فعل شنیع سے روکنے کی کوشش کرتا ہے اس کے برخلاف اعمال صالحہ اور افعال حسنہ میں عجیب قسم کا سکون اور طبیعت کو فرحت وطمانیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ یہی عین فطرت ہے۔

من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین۔

انسانی زندگی کے یہ دو ہی پہلو ہیں خیر یا شر۔ اللہ تعالیٰ جس بندے کیساتھ اچھا سلوک و معاملہ کرنا چاہتا ہے اس کو شر سے متنفر کر کے خیر کی جانب راغب کر دیتا ہے اور تفقہ سے نوازتا ہے۔

تفقہ فی الدین اللہ کا عظیم انعام قرآن و حدیث کے فہم کی روح علم و عمل کی طاقت اور شریعت اسلامی کا مزاج شناس ہونے کیساتھ ساتھ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے اور اس دولت عظمیٰ و نعمت مترقبہ سے صرف انھیں بندوں کو سرفراز کیا جاتا ہے جو اپنے غیر معمولی ایمان و عمل مثالی اخلاق و خلوص اور فطرت سعادت کی بناء پر بارگاہ ایزدی میں مقبول و مانوس ہو چکے ہوں اور ملاء اعلیٰ نے انھیں ایمان و یقین کا درخشاں ستارہ رشد و ہدایت کا پیکر اور وقت کا امام بنانے کا فیصلہ کیا جا چکا ہو۔

"حقیقت یہ ہے کہ انسانی زندگی کیلئے جہاں بیرونی روشنی کی شدید ضرورت ہے وہیں اندرونی روشنی (تفقہ، الہام ربانی) بھی اس کی اہم ترین ضروریات میں شامل ہے۔ انسانی عقل اگر بینائی ہے تو وحی الٰہی روشنی۔ اور دونوں ہی رشد و ہدایت اصلاح و دعوت اور

انسانی زندگی کے لازم ملزوم اجزاء ہیں اور جب عالم قرآن و حدیث کے ظاہری علم کیساتھ ساتھ باطنی علم (تفقہ) اور نور معرفت سے بہرہ یاب ہوگا تو وہ ماخذ شریعت اور اسلامی نصوص کے بحر زخار میں غواصی کر کے تفقہ کے انمول موتیوں اور قیمتی جواہر ریزوں نیز جدید اکتشافات سے امت مرحومہ کی جھولیاں بھر دے گا۔[1]

قرآن کریم خود بندوں کو تفقہ فی الدین کے حصول پر ابھار رہا ہے فلو نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین اور حدیث میں بھی ایک جگہ تفقہ فی الدین کی اہمیت اس طرح اجاگر کی گئی خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا[2] یہاں افضل ہونے کا معیار و شرط تفقہ فی الدین ہی قرار دیا گیا کیونکہ جیسے جیسے حالات بدلتے زمانہ میں تغیر واقع ہوتا ہے فقیہ انہیں تقاضوں اور ضروریات کے پیش نظر اصول شریعت سے مسائل کا استنباط کرتے رہتے ہیں جو اسلام کی تبلیغ کا ایک اہم شعبہ ہے اسی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بندے کو دعا دی جو آپ کے اقوال و احادیث کو فقیہ و افقہ تک پہونچا دیتا ہے فرمایا "نضر اللہ عبدا سمع مقالتی فوعاھا ثم اداھا الی من لم یسمعھا فرب حامل فقہ غیر فقیہ و رب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ" یعنی فقہ کا اتنا اونچا مقام ہے کہ وہ ایک ہی حدیث سے استنباط مسائل اور استخراج احکام کے ان گنت موتی بکھیر دے گا اور اس خدمت عظیم کیلئے وہی لوگ منتخب کئے جاتے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کر چکا ہو اور جن کو شر سے بچا کر خیر کی توفیق بھی دے چکا ہو۔

(ح) حضرت امام ابن ماجہ نے یہ حدیث باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم کے تحت ذکر کی ہے ترجمۃ الباب سے مناسبت ظاہر کرتے ہوئے علامہ ابن حجر لکھتے ہیں[3]:

"وفی ذلک بیان ظاھر لفضل العلماء علی سائر الناس ولفضل التفقہ فی الدین علی سائر العلوم"

---

[1] یہ پیرا مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر مدظلہ کے ایک اقتباس سے مستفاد ہے
[2] بخاری جلد اول ص۴۹۵ مسلم جلد دوم ص۳۰۷۔
[3] فتح الباری جلد اول ص۱۳۳ مطبوعہ مصر ۱۲

یعنی جو علماء ہیں اور تفقہ فی الدین سے متصف ہیں اللہ یقیناً ان سے راضی ہے اور اللہ نے ان کے ساتھ خیر کا معاملہ فرمایا ہے اس لئے یہ لوگ افضل الناس ہیں اور تمام لوگوں کو ان کی تقلید کرتے ہوئے اس علم کو حاصل کرنا چاہیئے جو نہ صرف قرب الٰہی کا ذریعہ ہے بلکہ تمام شر و فتن سے حفاظت و سلامتی کیساتھ ساتھ اللہ کی خیر کی بھی ضمانت لئے ہوئے ہے۔

سوال ۴۳ :- عن انس بن مالک رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طَلَبُ العِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَوَاضِعُ العِلْمِ عِنْدَ غَيْرِ أَهْلِهِ كَمُقَلِّدِ الخَنَازِيرِ الجَوْهَرَ وَاللُّؤْلُؤَ وَالذَّهَبَ۔

(الف) اعراب لگائیے ترجمہ کیجئے۔

(ب) حدیث باب میں مطلق علم کی فرضیت ثابت ہوتی ہے یا اس سے کوئی خاص علم مراد ہے؟ وضاحت کیجئے۔

جواب سوال ۴۳ :- (الف) اعراب کیلئے درج بالا حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت انس بن مالک رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور علم کو اس کے غیر اہل کے پاس رکھنے والا (یعنی نالائق کو تعلیم دینے والا) ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ خنزیروں کے زر و جواہر اور موتیوں کا ہار ڈال رہا ہے (جس طرح جواہر موتی اور سونے سے نہ صرف یہ کہ خنزیر کی ماہیت نہیں بدلتی بلکہ ان قیمتی اشیاء کی توہین و رسوائی ہوتی ہے اسی طرح نفسی دنیا دار اور مفاد پرست انسان کے سامنے علم حدیث بیان کرنا اسے تعلیم دینا علم کی توہین اور اس کیساتھ گھناونا مذاق ہے)۔

(ب) حدیث باب میں وارد ہوئے علم سے مطلق علم نہیں بلکہ ایک خاص علم مراد ہے جس کی تعیین میں کافی اختلاف ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس پر کلام کرتے ہوئے درج ذیل اقوال کا ذکر فرماتے ہیں:-

۱- علماء کی ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ اس سے علم اخلاص مراد ہے اور ان تمام اشیاء کی معرفت ضروری ہے جو اعمال کو باطل کر دیتی ہیں۔

۲- علماء کی دوسری جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس سے وہ علم معرفت مراد ہے جو قلب پر وارد ہونے والے خیالات میں یہ تمیز کر سکے کہ یہ الہام ربانی ہے یا لمہ شیطانی۔

۳- بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں حرام و حلال کا علم مراد ہے کیونکہ اکل حلال اختیار کرنا اور حرام سے اجتناب ضروری ہے۔

۴- جب کہ کچھ حضرات کا رجحان یہ ہے کہ حدیث باب میں بائع مشتری اور ناکح کیلئے علم بیع وشراء

اور نکاح کے مسائل جاننا مراد ہے۔

۵۔ پانچواں قول یہ ہے کہ "بنی الاسلام علی خمس" کے تحت توحید نماز روزہ زکوٰۃ اور حج بیت اللہ مراد ہے جب کہ کچھ لوگ یہاں صرف علم توحید مراد لیتے ہیں۔

۶۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حدیث باب میں علم باطن کی طلب اور اس کی فرضیت مراد ہے اور یہ علم باطن زہاد وصالحین علماء ربانیین ہی کی صحبت سے آتا ہے کیونکہ یہی لوگ انبیاء کے وارث ہیں۔

ان اقوال کے برخلاف علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ حدیث پر اصولی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علوم شرعیہ کی حقیقتاً دو قسمیں ہیں:۔

(۱) علم اصول (۲) علم فروع۔

۱۔ علم اصول یہ ہے کہ توحید وصفات باری کی معرفت اور انبیاء ورسل کی تصدیق تو طلب العلم فریضۃ کے تحت ہر مکلف کو ان امور کا جاننا ضروری ہے۔

۲۔ علم فروع فقہ اور احکام دین کی معرفت کو کہتے ہیں اور یہ دو قسموں پر منقسم ہے:۔

(۱) فرض عین (۲) فرض کفایہ۔

۱۔ طہارت ونجاست اور نماز روزوں کے مسائل اور روزمرہ کی دینی ضروریات کی معلومات فرض عین ہے اور طلب العلم فریضۃ کی رو سے ان کا جاننا بھی ضروری ہے۔

۲۔ فرض کفایہ اس علم کو کہیں گے جو انسان کو درجہ اجتہاد وافتاء کے منصب پر فائز کر دے اگر کوئی ایک بھی اس علم کو حاصل کرلے تو پورے شہر سے فرض ساقط ہو جائے گا ورنہ سب گناہگار ہوں گے۔

تو علامہ بغوی کے قول کا حاصل یہ نکلا کہ معرفت صانع توحید باری تعالیٰ انبیاء ورسل کی تصدیق طہارت ونجاست اور صوم وصلوٰۃ کے مسائل کی معلومات حدیث باب میں مراد ہیں قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

اس کے ساتھ یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اگر کوئی صاحب نصاب ہے تو زکوٰۃ اور حج کے مسائل جاننا بھی فرض عین ہوگا نیز ہر وہ علم حدیث باب کے زمرہ میں آئے گا جس کی سائل کو اشد ضرورت ہو۔

درج بالا تمام اقوال میں علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہی زیادہ صحیح اور راجح ہے اور دلائل کی روشنی میں یہی قوی ترین مسلک ہے۔

۱؎ شرح السنۃ جلد اول ص۲۹۰ مطبوعہ سعودی عرب، مرقاۃ المفاتیح لعلی القاری جلد اول ص۲۳۳ التعلیق الصبیح جلد اول ص۱۳۵۔

سوال ۴۴:۔ "باب من کرہ ان یطأ عقباه" عن ابی امامة قال مر النبی
صلی اللہ علیہ وسلم فی یوم شدید الحر نحو بقیع الغرقد وکان الناس
یمشون خلفه فلما سمع صوت النعال وقر ذلک فی نفسه فجلس حتی
قدمهم امامه لئلا یقع فی نفسه شیٔ من الکبر

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کرنے کے بعد تشریح کیجئے
(ب) ترجمۃ الباب سے مطابقت بیان کیجئے۔
(ج) پھر اس روایت سے کسی مسئلہ کا استنباط کیجئے۔

جواب سوال ۴۴:۔ (الف) اعراب کیلئے درج بالا روایت ملاحظہ کیجئے۔

"اپنے پیچھے چلنے کو ناپسند کرنے والے کا بیان"

حضرت ابوامامہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ) شدید گرمی کے
دن بقیع غرقد (اہل مدینہ کے قبرستان) کے قریب سے گذرے اور لوگ آپ کے پیچھے
چل رہے تھے آپ کو یہ بات ناگوار گذری تو آپ (ان کے انتظار میں) بیٹھ گئے (اور اس
وقت تک بیٹھے رہے) یہاں تک کہ تمام صحابہ آپ کے آگے اور سامنے ہو گئے (یہ کام آپ
نے اسلئے کیا) تاکہ کبر کا ادنیٰ شائبہ بھی قلب میں پیدا نہ ہو۔

(ب) حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے یہ حدیث "باب من کرہ ان یطأ عقباه"
کے تحت ذکر کی ہے مطابقت ظاہر ہے کہ آپ نے صحابہ کا اپنے پیچھے چلنا ناپسند کیا نیز دوسری
حدیث میں یہ صراحت کہ یہ آپ کا معمول تھا کہ صحابہ آپ کے آگے آگے چلتے اور آپ کی پشت
کو فرشتوں کے چلنے کیلئے چھوڑ دیتے اور ابن عمرو کی تصریح کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم
کے پیچھے کبھی دو آدمیوں کو چلتے ہوئے نہ دیکھا گیا تو حدیث باب میں وارد لفظ وقر ذلک
فی نفسه ہی ترجمۃ الباب ہے۔

(ج) روایت بالا سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ اگر پیچھے چلنے کی وجہ سے کسی کو غرور و تکبر میں پڑ جانے
کا اندیشہ ہو تو اسے اس عمل سے پرہیز کرنا چاہئے اور اپنے متبوعین و معتقدین کو پیچھے
چلنے سے حتی الاختیار روک دینا چاہئے

سوال ۴۵:۔ عن ابن عمر رض عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من
طلب العلم لیماری به السفهاء او لیباهی به العلماء او لیصرف وجوه
الناس الیه فهو فی النار

(الف) اعراب و ترجمہ کے بعد حدیث کی تشریح کیجئے۔
(ب) ترجمۃ الباب "الانتفاع بالعلم والعمل به" سے حدیث کا کیا تعلق ہے؟

(ج) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی تحقیق کیجئے۔

جواب سوال ۴۵: (الف) اعراب کیلئے ۱۴۶ کی حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے جہلاء سے جھگڑنے علماء پر رعب جمانے اور لوگوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے کیلئے علم حاصل کیا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔

تشریح:

یعنی علم جیسی عظیم شئی کو اس نے علمنی ما ینفعنی کا مصداق بنانے کے بجائے دنیاوی منفعت حقیر مفاد اور ذاتی اغراض کیلئے حاصل کیا اور اس کو اپنی عزت و شہرت رعب و دبدبہ اور شان و شوکت کا ذریعہ بنایا تو ایسے مفاد پرست دنیادار اور خود غرض انسان کیلئے جہنم ہی مناسب ٹھکانہ ہے کیونکہ اس نے نہ صرف علم سے بذات خود کوئی اخروی فائدہ نہ اٹھایا بلکہ ایک خالص دینی اخروی اور عظیم علم کو دنیاوی مفاد کیلئے استعمال کر کے جہاں علم کی توہین کی وہیں اس گھناؤنے فعل سے شر و فتن کے بیج بو دیئے اور اللہ کی رضا کو پس پشت ڈالتے ہوئے محض مفاد ہی کو پیش نظر رکھا تو ایسے ہی عالموں کو قیامت میں گھسیٹ کر جہنم میں ڈالا جائے گا اور کہا جائے گا۔

"اذھبوا الی الذین کنتم تراؤن فی الدنیا فانظروا
ھل تجدون عندھم جزاء و خیر"

اس کا ٹھکانہ نہ صرف جہنم ہوگا بلکہ وہ جہنم کی وادی جب الحزن میں ڈالا جائے گا جس سے جہنم بھی پناہ مانگتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "اللھم انی اعوذبک من علم لا ینفع" کہہ کر اسی جانب توجہ دلائی ہے۔ اور علماء امت کی خیر خواہی کیلئے اس طرح نصیحت فرمائی:۔

"لا تعلموا العلم لتباھوا بہ العلماء او لتماروا بہ
السفھاء" اور "لتصرفوا وجوہ الناس الیکم فمن
فعل ذلک فھو فی النار"

(ب) حضرت امام ابن ماجہ علیہ الرحمہ نے یہ حدیث "الانتفاع بالعلم والعمل بہ" کے تحت ذکر کی ہے وجہ مطابقت ظاہر ہے کہ اس شخص نے محض اپنے مفاد اور ذاتی اغراض کیلئے علم حاصل کیا اس لئے نہ اخروی فائدہ اٹھایا اور نہ ہی اس پر عمل کیا تو اس کے نتیجہ میں ایسے عالم کا انجام نہایت خطرناک ہو سکتا ہے لہٰذا اہل اسلام کو ذاتی اغراض سے قطع محض عمل اور اخروی فلاح کیلئے علم حاصل کرنا چاہئے۔

(ج) ماریٰ یماری مماراۃ: جھگڑنا، بحث ومباحثہ کرنا۔
باھیٰ یباھی مباھاۃ: باہم فخر کرنا۔
صرّف یصرف تصریفا: پھیرنا، مبدول کرانا۔

سوال ۴۶:۔ عن انس بن مالکؓ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من سئل عن علم فکتمہ الجم یوم القیمۃ بلجام من النار۔
(الف) اعراب لگاکر معنی خیز ترجمہ کیجئے۔
(ب) نیز یہ بتائیے کہ ہر قسم کے علم چھپانے پر یہ تہدید ہے یا خاص قسم کے کتمان پر، جو پہلو اختیار کریں اس کو مذکور فی الباب حدیث وقرآن سے مدلل کریں۔

جواب سوال ۴۶:۔ (الف) اعراب کیلئے حدیث بالا دیکھئے۔
حضرت انس بن مالک رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے (خود) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ کسی (عالم) سے اگر کوئی علمی امر (کی بابت دریافت) کیا جائے اور وہ (عالم جاننے کے باوجود) اس کو چھپائے تو کل قیامت میں اس کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔
(ب) امام سیدرحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وعید ضروری اور روزمرہ کے علم کے متعلق ہے رہا وہ علم جس کی سائل وعوام کو کوئی ضرورت نہیں تو اس کے متعلق یہ وعید نہیں۔
علامہ خطابی اور امام سید اس ضروری علم کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اسلام کے اوامر ومنہیات اور اس کی تاریخ ومزاج کے بارے میں استفسار کرے یا ادائے صلوٰۃ ودیگر فرائض وارکان کی بابت دریافت کرے یا پھر کسی شئے کے بارے میں حلت وحرمت کا فتویٰ چاہے اور مفتی وعالم کوئی جواب نہ دے تو وہ اس وعید شدید کا مصداق ہوگا۔
امام ابن ماجہ علیہ شراح حدیث کے انہیں بیان کردہ معنی کی وضاحت کیلئے ایک اور حدیث باب میں لائے ہیں اور اس کو ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:۔

"عن ابی سعیدؓ الخدری رضؓ قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم من کتم علما مما ینفع اللہ
بہ فی امر الناس امر الدین الجمہ اللہ یوم القیمۃ بلجام من النار"

یہ حدیث صاف وضاحت کررہی ہے کہ حدیث باب میں وارد وعید صرف اس علم کے متعلق ہے جو عوام الناس کی روزمرہ کی دینی ضروریات میں سے ہو نیز ینفع اللہ بہ کا قرینہ صاف دلالت کررہا ہے کہ وہ علم عوام کیلئے مفید اور ضروری ہو اور ایسے ہی علم کے کتمان پر قرآن کریم نے تنبیہ کرتے ہوئے کہا:۔

"ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتاب ویشترون بہ ثمنا قلیلا اولئک ما یاکلون فی بطونہم الا النار"
دوسری جگہ اس علم کی وضاحت قرآن میں اس طرح کی گئی ہے:۔
"ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینٰت والھدیٰ من بعد ما بیّنٰہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنہم اللہ ویلعنہم اللاعنون"
آیت بالا میں بھی اسی علم کی صراحت ہے جو عوام الناس کیلئے کتاب میں بیان کر دیا گیا ہو نیز بینات اور ہدیٰ سے بھی اسی قسم کے علم کی تعیین ہوتی ہے۔ جو عوام کیلئے ارکانِ دین کی تشریح کرے۔

انھیں آیات وحدیث کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"علم کو چھپانے کی یہ سخت وعید انھیں علوم ومسائل کے متعلق ہے جو قرآن میں واضح بیان کئے گئے ہوں اور جن کے ظاہر کرنے اور پھیلانے کی ضرورت ہے۔ وہ باریک اور دقیق مسائل جو عوام نہ سمجھ سکیں بلکہ خطرہ ہو کہ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے تو ایسے مسائل واحکام کا عوام کے سامنے بیان نہ کرنا بہتر ہے اور وہ کتمان علم کے حکم میں نہیں ہے آیت مذکورہ من البینات والھدیٰ سے اسی طرف اشارہ پایا جاتا ہے ایسے ہی مسائل کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا۔ تم اگر عوام کو ایسی حدیثیں سناؤ گے جن کو وہ پوری طرح نہ سمجھ

سکیں تو تم ان کو فتنہ میں مبتلا کر دو گے۔[1]

ہماری درج بالا تشریح سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ حدیث باب میں وعید مطلق علم کے متعلق نہیں بلکہ مقید علم کے متعلق ہے اور یہ وعید تھوڑی حد تک حالات و تقاضے پر بھی منحصر ہے۔[2]

قد تم الفراغ من تالیف هذا الکتاب المسمی بمصباح الزجاجۃ شرح اردو مشکلات ابن ماجۃ فی ۲۲ من جمادی الاولیٰ سنۃ ۱۴۱۰ ہجری بعد صلاۃ الجمعۃ، فالحمد للہ علی ذلک۔

(العبد الاثم اسعد قاسم)

---

[1] معارف القرآن جلد اول صفحہ ۳۰۲۔

[2] کتمان علم کیلئے دیکھئے مرقاۃ اول صفحہ ۲۳۵، تعلیق اول صفحہ ۱۵۲، شرح السنۃ اول صفحہ ۳۰۱۔